صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ

تالیف
حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ

تالیف .... حافظ زبیر علی زئی

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت .... جنوری 2008ء

قیمت ....

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

اٹک مکتبۃ الحدیث حضرو فون: 057-2310571

فہرست

○○○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل فرما کر اس کا بیان بھی سمجھا دیا اور لوگوں کو حکم دیا: ﴿ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ﴾ اور رسول تمھیں جو (حکم وطریقہ) دے تو اسے لے لو، اور جس سے منع کرے تو رک جاؤ۔ (الحشر:۷)

نیز فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر اُتارا تاکہ جو نازل ہوا ہے آپ اس کا بیان لوگوں کو بتا دیں۔ (النحل:۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن مجید پر عمل کر کے دینِ اسلام کی تفسیر فرمائی اور صحابۂ کرام نے قرآن وحدیث پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ و رسول پر ایمان اور قرآن و حدیث پر عمل ہی دینِ اسلام ہے۔ تابعین نے یہی منہج اور دستورِ حیات صحابہ سے لیا، تبع تابعین نے تابعین سے اور ائمۂ دین نے محدثین سے یہی منہج اور طرزِ عمل حاصل کیا اور اپنی زندگیوں میں اسی پر ثابت قدم رہے۔

دورِ تابعین میں بعض ایسے بدعتی بھی پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی بدعات کی وجہ سے بعض صحیح احادیث کا انکار کیا اور پھر یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا۔ مشہور عربی امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر محدثینِ کرام نے اس فتنے کی سرکوبی کی، ہر میدان میں ایسے بدعتیوں کو شکست دی جو صحیح احادیث کا انکار کرتے تھے۔

دورِ جدید میں حدیث کا انکار کرنے والے لوگ کئی منظم گروہوں کی شکل میں کام کر

رہے ہیں۔ کبھی صحیح بخاری پر حملے کرتے ہیں تو کبھی صحیح مسلم پر، کبھی حدیث اور محدثین کو عجمی سازش کہتے ہیں اور کبھی صحیح احادیث کو خلافِ قرآن باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کو بلا رسول (رسول کے بغیر اور اپنے فہم کے مطابق) سمجھنے کے منہج پر گامزن ہیں۔

مشہور عربی عالم امام محمد بن ادریس الشافعی الہاشمی المطلبی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب الام (۱۵/۷) اور کتاب الرسالہ میں ان منکرینِ حدیث کا زبردست رد کیا ہے اور حدیثِ رسول کا حجت ہونا ثابت کیا ہے۔

راقم الحروف نے زیرِ نظر کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' میں بعض منکرینِ حدیث کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، جو ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہو چکے ہیں۔ رمضان ۱۴۲۸ھ کے آخری عشرے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد کی کتاب ''اسلام کے مجرم'' پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس کتاب میں صحیح بخاری کی جن احادیث پر حملہ ہوا تھا، اس کا مسکت و مدلل جواب بھی لکھ دیا تا کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کا منہ کالا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''فكل من لم يناظر أهل الالحاد والبدع مناظرة تقطع دابرهم، لم يكن أعطى الإسلام حقه ولا وفّى بموجب العلم والإيمان ولا حصل بكلامه شفاء الصدور وطمأنينة النفوس ولا أفاد كلامه العلم واليقين.''

ہر وہ شخص (عالم جس کے پاس متعلقہ علم ہے) جو ملحدین و مبتدعین سے مناظرہ کر کے ان کی جڑیں نہیں کاٹتا تو اس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا اور نہ علم و ایمان کے واجبات کو پورا کیا ہے، اس کے کلام سے سینوں کو شفاء اور دلوں کو اطمینان حاصل نہیں ہوا اور نہ اس کا کلام علم و یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۳۵۷)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور میری مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(۸/ شوال ۱۴۲۸ھ)

صحیح بخاری پر منکرینِ حدیث کے حملے اور ان کا جواب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری ''أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ'' اللہ کی کتاب (قرآن) کے بعد سب کتابوں سے صحیح کتاب ہے۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''ثم حکی أن الأمة تلقت هذین الکتابین بالقبول، سوی أحرف یسیرة ، انتقدها بعض الحفاظ کالدار قطني وغیره،ثم استنبط من ذلك القطع بصحة ما فیها من الأحادیث ، لأن الأمة معصومة عن الخطأ، فما ظنت صحته وجب علیها العمل به لا بُدّ وأن یکون صحیحاً في نفس الأمر، وهذا جید''

پھر (ابن الصّلاح نے) بیان کیا کہ بے شک (ساری) امت نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو قبول کر لیا ہے، سوائے تھوڑے حروف کے جن پر بعض حفاظ مثلاً دار قطنی نے تنقید کی ہے۔ پھر اس سے (ابن الصلاح نے) استنباط کیا کہ ان دونوں کتابوں کی [illegible] الصحت ہیں کیونکہ امت (جب اجماع کر لے تو) خطا سے معصوم ہے۔ جسے امت نے (بالاجماع) صحیح سمجھا تو اس پر عمل (اور ایمان) واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ حقیقت میں بھی صحیح ہی ہو۔ اور (ابن الصلاح کی) یہ بات اچھی ہے۔

(اختصار علوم الحدیث ۱/۱۲۴، ۱۲۵)

اصولِ فقہ کے ماہر حافظ ثناء اللہ الزاہدی نے ایک رسالہ ''أحادیث الصحیحین بین الظن والیقین'' لکھا ہے، جس میں ابواسحاق الاسفرائنی (متوفی ۴۱۸ھ) امام الحرمین

الجوینی (متوفی ۴۷۸ھ) ابن القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ) ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) اور ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) وغیرہم سے صحیحین کا صحیح و قطعی الثبوت ہونا ثابت کیا ہے۔

اس مسئلے پر تفصیلی بحث سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

① امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولم أر أحداً بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل والتاريخ ومعرفة الأسانيد كبير أحد أعلم من محمد بن إسماعيل رحمه الله"

میں نے علل، تاریخ اور معرفت اسانید میں محمد بن اسماعیل (بخاری) رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہ عراق میں دیکھا ہے اور نہ خراسان میں۔ (کتاب العلل للترمذی ص ۳۲)

② امام بخاری کے شاگرد امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ کے سر کا بوسہ لیا اور فرمایا:

"لا يبغضك إلا حاسد وأشهد أن ليس في الدنيا مثلك"

آپ سے صرف حسد کرنے والا شخص ہی بغض رکھتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے۔ (الارشاد للخلیلی ۳/۹۶۱ وسندہ صحیح)

③ امام الائمہ شیخ الاسلام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) نے فرمایا: **"ما رأيت تحت أديم السماء أعلم بالحديث من محمد بن إسماعيل البخاري"** "میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل البخاری سے بڑا حدیث کا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۷۴ ح ۱۵۵ وسندہ صحیح)

④ صحیح ابن حبان کے مؤلف حافظ ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) نے لکھا:

"وكان من خيار الناس ممن جمع وصنف ورحل وحفظ وذاكر وحث عليه وكثرت عنايته بالأخبار وحفظه للآثار مع علمه بالتاريخ ومعرفة أيام الناس ولزوم الورع الخفي والعبادة الدائمة إلىٰ أن مات رحمه الله"

لوگوں میں آپ بہترین انسان تھے، آپ نے (احادیث) جمع کیں، کتابیں لکھیں، سفر کیا

اور (احادیث) یاد کیں۔ آپ نے مذاکرہ کیا، اس کی ترغیب دی اور اخبار و آثار یاد کرنے پر بہت زیادہ توجہ دی۔ آپ تاریخ اور لوگوں کے حالات کو خوب جانتے تھے۔ آپ اپنی وفات تک خفیہ پرہیزگاری اور عباداتِ دائمہ پر قائم رہے، رحمہ اللہ (کتاب الثقات ۹/۱۱۳،۱۱۴)

صحیح بخاری کا تعارف

اب صحیح بخاری کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

① مشہور کتاب سنن النسائی کے مؤلف امام ابوعبدالرحمٰن النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے فرمایا:

"فما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري"

ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

(تاریخ بغداد ۲/۹ وسندہ صحیح)

② "الإبانة الكبرىٰ" کے مصنف، امام حافظ، شیخ السنۃ ابونصر السجزی الوائلی (حنفی) رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۴ھ) سے منقول ہے:

"أجمع أهل العلم ـ الفقهاء وغيرهم ـ أن رجلاً لو حلف بالطلاق أن جميع ما في كتاب البخاري مما روى عن النبي ﷺ قد صح عنه ورسول الله ﷺ قاله، لاشك فيه أنه لا يحنث، والمرأة بحالها في حبالته"

اہل علم ـ فقہاء وغیرہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی طلاق کی قسم کھائے کہ صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے جو کچھ مروی ہے وہ یقیناً صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹتی اور اس کی عورت اس کے نکاح میں باقی رہتی ہے۔

(علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۸، ۳۹ دوسرا نسخہ ص ۹۴، ۹۵، النکت للزرکشی ص ۸۰، التقیید والایضاح للعراقی ص ۳۸، ۳۹، الشذی الفیاح لبرہان الدین الأبناسی، الورقہ: ۹ بحوالہ احادیث الصحیحین بین الظن والیقین ص ۲۸)

اس قول کی وائلی تک مجھے سند نہیں ملی لیکن ایسا ہی قول امام الحرمین ابوالمعالی سے مروی ہے۔ دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۸۰، ۸۱، شرح صحیح مسلم للنووی، درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۴ دوسرا

نسخہ ۱/۱۹، ۲۰) النکت علی ابن الصلاح لابن حجر (۱/۲۷۴ و قال: مقالته المشهورة)

امام الحرمین والا قول بھی باسند صحیح معلوم نہیں۔ ابن دحیہ والی روایت قوی متابعت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ تاہم یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ ایسی قسم کھانے والے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی کیونکہ صحیح بخاری کی تمام متصل مرفوع روایات یقیناً صحیح ہیں۔

④ شاہ ولی اللہ الدہلوی (حنفی) فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع و أنهما متواتران إلى مصنفيهما و أنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين"

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱/۱۳۴، اردو ۱/۲۴۲ ترجمہ عبدالحق حقانی)

برصغیر (پاکستان اور ہندوستان) کے دیوبندیوں، بریلویوں اور حنفیوں کے نزدیک شاہ ولی اللہ الدہلوی کا بہت بڑا مقام ہے، لہٰذا شاہ ولی اللہ کا قول ان کے لئے کافی ہے تاہم مزید تحقیق اور اتمامِ حجت کے لئے آلِ دیوبند اور آلِ بریلی کی صحیح بخاری کے بارے میں تحقیقات پیش خدمت ہیں:

بریلویوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے صحیحین کے راوی محمد بن فضیل بن غزوان پر جرح کی (معیار الحق ص ۳۹۶) تو احمد رضا خان بریلوی صاحب نے رد کرتے ہوئے لکھا:

"اقول اولاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رجال سے ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ طبع قدیم ۲/۲۴۴ طبعہ جدیدہ ۵/۱۷۴)

معلوم ہوا کہ احمد رضا خان صاحب کے نزدیک صحیحین کے راویوں پر جرح کرنا

بے شرمی کا کام ہے۔

تنبیہ: محمد بن فضیل ثقہ وصدوق راوی ہیں اوران پر جرح مردود ہے۔ والحمدللہ

احمد رضا خان صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ اجل واعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف ہے کہ......'' (احکام شریعت حصہ اول ص ۶۲)

② عبدالسمیع رامپوری صاحب لکھتے ہیں: ''اور یہ محدثین میں قاعدہ ٹھہر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثوں کی احادیث پر مقدم ہے کیونکہ اوروں کی حدیث اگر صحیح بھی ہوگی تو صحیحین اس سے صحیح اور قوی تر ہوگی'' (انوار ساطعہ ص ۴۱)

③ غلام رسول رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری تمام کتب سے اصح کتاب ہے۔'' (تفہیم البخاری شرح صحیح البخاری ۵/۱)

نیز دیکھئے تذکرۃ المحدثین للسعیدی (ص ۲۲۴)

④ محمد حنیف رضوی بریلوی نے صحیح بخاری کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' قرار دیا۔

(دیکھئے جامع الحدیث ۳۲۳/۱ ومقالات کاظمی ۲۴۷/۱، نیز دیکھئے یہی مضمون، باب: حنفیوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام)

تنبیہ: عینی حنفی، زیلعی حنفی، ابن الترکمانی حنفی اور ملا علی قاری وغیرہم کو بریلوی حضرات اپنا اکابر مانتے ہیں لہٰذا ان کے اقوال بریلویوں پر حجت قاطعہ ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ بھیروی بریلوی فرماتے ہیں کہ ''جمہور علمائے امت نے گہری فکر ونظر اور بے لاگ نقد وتبصرہ کے بعد اس کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا ہے۔'' (سنت خیر الانام ص ۵۷ طبع ۲۰۰۱ء)

دیوبندیوں کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: ''مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں وہ سب سے راجح ہے'' (اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ ص ۱۸، تالیفات رشیدیہ ص ۳۳۷)

نیز دیکھئے اوثق العریٰ (ص ۲۹) اور تالیفات رشیدیہ (ص ۳۴۳)

② مدرسہ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے ایک آدمی راؤ عبدالرحمن صاحب سے فرمایا: ''بھائی میں تمھارے لئے کیا دعا کروں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمھیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(حکایات اولیاء ص ۲۷۲ حکایت: ۲۵۴)

معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کے نزدیک راؤ صاحب، سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحیح بخاری پڑھتے تھے۔ اگر اس میں کوئی ضعیف حدیث ہوتی تو آپ ﷺ انھیں یا نانوتوی صاحب کو ضرور بتا دیتے۔!

③ انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں: ''والشعراني رحمه الله تعالىٰ أيضًا كتب أنه رآه ﷺ وقرأ عليه البخاري في ثمانية رفقة معه ثم سماهم وكان واحد منهم حنفيًا وكتب الدعاء الذي قرأه عند ختمه ، فالرؤيا يقظة متحققة و انكارها جهل''

مفہوم: اور شعرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آٹھ آدمیوں کے ساتھ جن میں ایک حنفی تھا، آپ کو صحیح بخاری پڑھ کر سنائی، اور جو دعا اس کے ختم کے وقت پڑھی تھی لکھ دی۔ پس (یہ) رؤیت بیداری کی ثابت ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

(فیض الباری ۱/۲۰۴)

معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کے ''عظیم محدث'' کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے بیداری میں (دنیا میں آکر) آٹھ آدمیوں کو صحیح بخاری پڑھائی، ان آٹھ آدمیوں میں شعرانی بدعتی صوفی بھی تھا۔ اگر اس میں کوئی ضعیف حدیث ہوتی تو آپ ﷺ ضرور بیان فرما دیتے۔!

④ قاری محمد طیب دیوبندی، مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ''دوسری طرف شارحِ بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے'' (مقدمہ فضل الباری ۱/۲۶)

اسی کتاب کے مقدمے میں قاری طیب صاحب فرماتے ہیں:

''اس لئے حدیث صحیح لذاتہ کا انکار درحقیقت قرآن کی سینکڑوں آیتوں کا انکار ہے۔ اس

لئے کسی منکر حدیث کے لئے جو اتباع قرآن کا نام نہاد مدعی ہے کم از کم اس روایت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کا نام صحیح لذاتہ ہے۔'' (مقدمہ فضل الباری ۱/۱۰۳)

قاری محمد طیب صاحب مزید فرماتے ہیں:

''صحت بخاری: تو امام بخاریؒ روایت کرنے میں یکتا ہیں کہ صحیح بخاری کے اندر جو حدیثیں ہیں وہ ان کی شرائط پر منطبق ہیں وہ نہایت ہی اونچی حدیثیں ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحیح کسی اور کتاب میں نہیں ہے مسلم میں بھی صحیح حدیثیں ہیں ترمذی میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ نسائی میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ اور کتابوں میں بھی ہیں مگر جن شرائط اور محتاط طریقے سے امام بخاریؒ قبول کرتے ہیں ان سب سے نیچے نیچے ہیں۔ ان کی نہایت پکی شرطیں ہوتی ہیں۔ وہ ان میں کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی شرطیں راویت میں لگائی ہیں کہ وہ اور صحیحوں سے بڑھ کر روایت میں صحیح ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کر دیا...... اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہ اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ کتاب اللہ کے بعد اس کا درجہ رکھا گیا۔ اول تو طبعاً بھی بعد میں اس کا مرتبہ ہونا چاہئے اس لئے کہ کتاب اللہ اسے میں تو اللہ کا علم ہے.. کتاب اللہ کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کا حکم ہو، اور یہ صحیح بخاری درحقیقت کتاب الرسولؐ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ رسول کا درجہ تو اللہ کے بعد ہی ہے اس لئے رسول کی کتاب کا درجہ بھی اللہ کی کتاب کے بعد ہوا۔ تو اعلیٰ ترین صحت کتاب اللہ کی ہے کہ اس عالم میں کسی آسمانی کتاب کو وہ صحت نصیب نہیں ہوئی جو کتاب مبین کو ہوئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کلام درحقیقت صرف یہی ہے۔''

(خطبات حکیم الاسلام ۵/۲۴۲، ۲۴۳)

تنبیہ: نبی کریم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ پورا درود (ﷺ) لکھنا چاہئے۔ صرف ''ص'' وغیرہ لکھ دینا غلط ہے۔ دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰۹ دوسرا نسخہ ص ۲۹۹، ۳۰۰)

⑤ مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

’’حالانکہ امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری‘‘

(مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۱۹، احسن الفتاویٰ ۱/۳۱۵)

⑥ محمد عاشق الٰہی میرٹھی صاحب فرماتے ہیں:

’’جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے بلکہ تقریباً سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے...‘‘ (سوانح عمری محمد زکریا صاحب ص ۳۴۹، ۳۵۰)

⑦ مولوی عبدالقدیر دیوبندی صاحب (مومن پور، حضرو، ضلع اٹک والے) حافظ ابن حجر کا ضابطہ بطورِ استدلال لکھتے ہیں کہ ’’یعنی صحیحین کی روایت کو غیر پر ترجیح ہوگی۔‘‘ (تدقیق الکلام ۱/۲۳۲)

⑧ محمد عبدالقوی پیر قادری لکھتے ہیں:

’’علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ احادیث کی جملہ کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحیح ترین ہیں...‘‘ (مفتاح النجاح مع حل سوالات جلد اول ص ۳۵)

⑨ دیوبندی مناظر ماسٹر محمد امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں:

’’...مگر اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الصحیح البخاری اور صحاح ستہ کے اجماع کے انکار کو کفر سمجھتے ہیں۔‘‘ (فرقہ غیر مقلدین کی ظاہری علامات ص ۴ فقرہ: ۱۶، مجموعہ رسائل ج ۳ ص ۲۶۴ طبعہ ۱۹۹۴ء)

⑩ عبدالقیوم حقانی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں:

’’چنانچہ روئے زمین پر اصح الکتب بعد کتاب اللہ ھو الصحیح البخاری کے باب...‘‘

(دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۸۷ پسند فرمودہ عبدالحق حقانی و سمیع الحق حقانی)

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے کہا:

’’اہلِ فن اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ قرار دیتے ہیں‘‘ (آثار الحدیث جلد دوم ص ۱۶۳)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً دیکھئے تفہیم البخاری (۱/۲۷، از عدنان احمد مکتبہ مدنیہ/ شائع کردہ مکتبہ مدنیہ، اردو بازار لاہور) وِ صحبتے با اہل حق (ص ۳۰۴ عبدالقیوم حقانی) ومقدمۃ انوار الباری (۲/۵۲) ودرس ترمذی (محمد تقی عثمانی ۱/۶۸) انعام الباری (محمد تقی عثمانی ۱/۹۹) علوم الحدیث (محمد عبیداللہ الاسعدی ص ۹۴) ارشاد اصول

الحدیث (مفتی محمد ارشاد قاسمی ص ۵۹ بحوالہ ظفر الامانی ص ۱۳۶) آسان اصول حدیث (خالد سیف اللہ رحمانی ص ۳۸) خیر الاصول فی حدیث الرسول (خیر محمد جالندھری ص ۶، ۷، آثار خیر ص ۱۲۳، ۱۲۴) کشف الباری (۱/۱۸۵، از افادات: سلیم اللہ خان دیوبندی)

جناب عبدالحق حقانی دہلوی (صاحب تفسیر حقانی) فرماتے ہیں:

"اسی لئے حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سب سے قوی اور معتبر ہے اس کے بعد صحیح مسلم۔"

(عقائد الاسلام ص ۱۰۰، پسند فرمودہ محمد قاسم نانوتوی، دیکھئے عقائد الاسلام ص ۲۶۴)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

"امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) صحیح مسلم شریف کے مؤلف ہیں جو بخاری شریف کے بعد تمام حدیث کی کتابوں میں پہلے درجہ پر صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں۔" (حاشیہ احسن الکلام ۱/۱۸۷ اور دوسرا نسخہ ۱/۲۳۴)

احناف کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام

① عینی حنفی نے کہا:

"اتفق علماء الشرق والغرب علٰی أنه ليس بعد كتاب الله تعالٰی أصح من صحيحي البخاري و مسلم...." "مشرق و مغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۱/۵)

② ملا علی قاری نے کہا: "ثم اتفقت العلماء علٰی تلقي الصحيحين بالقبول وإنهما أصح الكتب المؤلفة...."

پھر (تمام) علماء کا اتفاق ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ دونوں کتابیں تمام کتابوں میں صحیح ترین ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱/۵۸)

③ زیلعی حنفی نے کہا:

"وأعلٰی درجة الصحيح عندالحفاظ ما اتفق عليه الشيخان"

اور حفاظ حدیث کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کی صحیح حدیث وہ ہے جس کی روایت پر

بخاری و مسلم کا اتفاق ہو۔ (نصب الرایۃ ۱/۴۲۱)

④ شاہ ولی اللہ الدہلوی کا قول "صحیح بخاری کا تعارف" کے تحت گزر چکا ہے۔ (ص ۸)

⑤ قاضی محمد عبدالرحمٰن عید المحلاوی الحنفی نے کہا:

"ومن هذا القسم أحاديث صحيح البخاري و مسلم فإن الأمة تلقت ما فيهما بالقبول" اور اسی قسم سے بخاری و مسلم کی حدیثیں ہیں کیونکہ یقیناً امت نے (تلقی بالقبول کر کے) انھیں قبول کر لیا ہے۔

(تسہیل الوصول الی علم الوصول ص ۱۴۵ احکم خبر الواحد ووجوب العمل بہ)

نیز دیکھئے قفو الاثر فی صفو علوم الاثر لمحمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی (ص ۵۱ ـ ۵۷)

وبلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب لمحمد مرتضی الحسینی الزبیدی (ص ۱۸۹[۳])

اور الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی (ص ۱۹، مجموعہ رسائل لکھنوی ۴/ ۴۱۱)

⑥ احمد علی سہارنپوری ماتریدی (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے فرمایا: "واتفق العلمآء على أن أصح الكتب المصنفة صحيحا البخاري ومسلم واتفق الجمهور على أن صحيح البخاري أصحهما صحيحًا وأكثرهما فوائد"

اور علماء کا اتفاق (اجماع) ہے کہ (کتاب اللہ کے بعد) لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے صحیح بخاری و مسلم ہیں اور جمہور کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ صحیح مسلم سے صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے اور اس میں فوائد بھی زیادہ ہیں۔ (مقدمۃ صحیح البخاری، درسی نسخہ ۱/ ۴)

اس قسم کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ مختصر یہ کہ بریلویوں، دیوبندیوں اور حنفیوں کے نزدیک صحیح بخاری صحیح اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ والحمد للہ علی ذلك

صحیح بخاری پر منکرین حدیث کے حملے

دورِ قدیم اور دورِ جدید میں منکرین حدیث جن زاویوں سے صحیح بخاری پر حملے کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں ان کا مختصر تعارف مع رد درج ذیل ہے:

۱☆ بعض الناس صحیح بخاری کی ایک یا چند احادیث لے کر کہتے ہیں کہ "یہ قرآن کے خلاف ہے"

عرض ہے کہ خلاف ہونے کی دو قسمیں ہیں:

اول: ایک دلیل دوسری دلیل کے من کل الوجوہ (ہر لحاظ سے) خلاف ہو، تطبیق اور توفیق ممکن ہی نہ ہو مثلاً (۱) ایک شخص کہتا ہے "کتا حلال ہے"! (۲) دوسرا کہتا ہے "کتا حرام ہے" یہ دونوں اقوال ایک دوسرے کے سراسر مخالف ہیں۔ اس قسم کی مخالفت والی کوئی ایک حدیث بھی صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے کہ جس سے قرآن مجید کا صریح خلاف وارد ہوتا ہو۔ بلکہ دنیا کی کسی کتاب میں ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جو اس لحاظ سے قرآن کے صریح مخالف ہو۔

میرا یہ دعویٰ ہے کہ "لاأعرف أنه روي عن النبي ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادين، فمن كان عنده فليأتني لأؤلف بينهما / إن شاء الله" مجھے نبی ﷺ کی ایسی دو صحیح السند حدیثیں معلوم نہیں ہیں جو باہم متعارض ہوں (یا قرآن کے خلاف ہوں) جس شخص کے پاس ایسی کوئی بات ہے تو وہ میرے پاس لے آئے میں ان کے درمیان تطبیق و توفیق دے کر سمجھا دوں گا/ ان شاء اللہ۔

تنبیہ: اس قسم کا ایک قول شیخ الاسلام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) سے مروی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی صحیح سند نہیں ملی لہٰذا ہم اس بات کو امام ابن خزیمہ سے منسوب نہیں کرتے۔

دوم: حدیث صحیح کا متن صراحت کے ساتھ قرآن یا احادیث صحیحہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ ناسخ منسوخ، تطبیق اور توفیق ممکن ہوتی ہے لیکن بعض الناس اپنے اپنے مزاعم مخصوصہ کی بنا پر اس حدیث کو قرآن یا احادیث صحیحہ کے خلاف کہہ دیتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض سرے سے مردود ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ تم پر مردار حرام کیا گیا۔

(المآئدۃ:۳)

جبکہ ارشاد نبوی ہے: ((الحل ميتته)) سمندر کا مردار حلال ہے۔

(موطأ امام مالک ۱/۲۲ ح ۴۰ وسندہ صحیح، ورواہ ابوداود: ۸۳ والنسائی: ۵۹ وابن ماجہ: ۳۸۶ والترمذی: ۶۹ وقال:

"ھٰذا حدیث حسن صحیح" وصححہ ابن خزیمۃ:۱۱۱ وابن حبان الموارد:۱۱۹)

اگر کوئی شخص قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مردہ مچھلی (مردارِ سمندر) کو حرام قرار دے تو یہ اس شخص کی حماقت ہی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل سے استدلال غلط ہوتا ہے۔

تنبیہ: بعض منکرینِ حدیث نے (۱) تخلیق آدم وحوا (۲) فرضیتِ اطاعتِ والدین وغیرہ اسلامی عقائد کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے (!) دیکھئے پرویز کی کتاب "عالمگیر افسانے" (ص۴، ۱۷)

تمام مسلمانوں (اور دیگر مذاہب) کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام کو پیدا فرما کر ان دونوں کی نسل سے تمام انسان روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اس اجماعی عقیدے کا انکار کرتے ہوئے پرویز لکھتا ہے: "سب سے پہلے نہ کوئی ایک فرد مٹی سے بنایا گیا تھا، نہ اس کی پسلی سے عورت نکالی گئی تھی ....اور پانی کے امتزاج (یعنی قرآن کے الفاظ میں طِینِ لازب) سے زندگی کا اولین جرثومہ (LIFE-CELL) ظہور میں آیا جو جوشِ نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا" (عالمگیر افسانے ص۵)

اس عبارت میں پرویز نے انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام کے بجائے ایک جرثومے کو قرار دیا ہے جو کہ بعینہ ڈارون (کافر) کی تھیوری ہے، اس کفریہ عقیدے سے تمام مسلمان بری ہیں۔

۲☆ بعض لوگوں نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور تہذیب الکمال وغیرہ کتبِ اسماء الرجال میں سے صحیحین کے بعض مرکزی راویوں پر بعض جرحیں نقل کرکے ان کی روایات رد کرنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ حرکت حبیب الرحمٰن کاندھلوی، تمنا عمادی، شبیر احمد ازہر میرٹھی اور محمد ہادی تورڈھیروی وغیرہ منکرینِ حدیث نے کی ہے۔ صحیحین کی اصولی روایتوں پر اسماء الرجال کی کتابوں میں یہ جرحیں دیکھ کر رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمام جروح درج ذیل دو باتوں پر مشتمل ہیں:

① بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہی نہیں ہیں، مثلاً صحیحین کے بنیادی راوی ابن جریج کے بارے میں بعض الناس نے تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱/۱۷۰، ۱۷۱ ت ۱۶۴) وغیرہ کے ذریعے سے لکھا ہے کہ ابن جریج نے نوے (۹۰) عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ دیکھئے حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی حیاتی کی کتاب "نورالصباح فی ترک رفع الیدین بعدالافتتاح" (مقدمہ ص ۱۸ اجتر قیمی)

تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہوا ہے: " **وقال جرير: كان ابن جريج يرى المتعة تزوج ستين امرأة... قال ابن عبدالحكم: سمعت الشافعي يقول: استمتع ابن جريج بتسعين امرأة حتى أنه كان يحتقن في الليلة بأوقية شيرج طلباً للجماع** " (۱/۱۷۰، ۱۷۱)

جرح کے یہ دونوں اقوال بے سند ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ جریر اور ابن عبدالحکم کی وفات کے صدیوں بعد حافظ ذہبی پیدا ہوئے لہٰذا انھیں کس ذریعے سے یہ اقوال ملے؟ یہ ذریعہ نامعلوم ہے۔ اسی طرح مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری سے منسوب جرح (منکر الحدیث) امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

② بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہوتی ہیں لیکن جمہور کی توثیق یا تعدیلِ صریح کے مقابلے میں جرح غیر صریح ہونے کی وجہ سے مردود ہوتی ہیں، مثلاً امام زہری، عبدالرزاق بن ہمام، بقیہ بن الولید، عبدالحمید بن جعفر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہم پر تمام جرحیں جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

تنبیہ: امام زہری کا ذکر بطورِ فرض کیا گیا ہے ورنہ وہ تو بالاجماع ثقہ ہیں۔ والحمدللہ جب کسی راوی پر جرح وتعدیل میں محدثین کا اختلاف ہو تو جارحین مع جرح اور معدلین مع تعدیل جمع کر کے دیکھیں پھر اس حالت میں جس طرف جمہور ہیں وہی حق اور صواب ہے۔ تمنا عمادی، کاندھلوی اور شبیر احمد میرٹھی وغیرہ تمام لوگوں کی صحیحین کے بنیادی و اصولی راویوں پر جرحیں جمہور اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہیں۔

۳☆ بعض لوگ تدلیس یا اختلاط کی وجہ سے بھی جرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ثقہ مدلس راوی کی روایت تصریح سماع یا معتبر متابعت وصحیح شاہد کے بعد صحیح وحجت ہوتی ہے اور مختلط کی اختلاط سے پہلے والی روایت بھی بالکل صحیح ہوتی ہے۔

تنبیہ: صحیحین میں تمام مدلسین کی روایات تصریح سماع، معتبر متابعات اور صحیح شواہد پر مبنی ہیں۔ تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے اصول حدیث کی کتابیں اور شرح صحیح مسلم للنووی (۱/۱۸ درسی نسخہ) وغیرہ۔

محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب فرماتے ہیں:

"مدلس راوی عن سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں اِلّا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ وتدریب الراوی ص ۱۴۴)"

(خزائن السنن ۱/۱)

بعض جاہل لوگ ادراج اور مدرج کی جرح کر کے بعض ثقہ راویوں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس جرح کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، صرف مدرج کو غیر مدرج سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور بس!

ہشام بن عروہ پر بعض الناس کی جرح اور اس کا جواب

ہشام بن عروہ المدنی رحمہ اللہ کے بارے میں ابو حاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) نے کہا: "ثقة إمام في الحديث" (الجرح والتعدیل ۹/۶۴ وسندہ صحیح)

احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (متوفی ۲۶۱ھ) نے کہا: "وكان ثقة...."

(تاریخ الثقات: ۱۷۴۰ وفی المطبوع بعدہ عبارۃ مشوشۃ، تاریخ بغداد ۱۴/۴۱ وسندہ صحیح)

محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) نے کہا: "وكان ثقة ثبتاً كثير الحديث حجةً"

(الطبقات الکبریٰ ۷/۳۲۱)

یعقوب بن شیبہ (متوفی ۲۶۲ھ) نے کہا: "وهشام بن عروة ثبت حجة ..."

(تاریخ بغداد ۱۴/۴۰ وسندہ صحیح، وكلامه بعده يشير إلى تدليسه، والله أعلم)

یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک ہشام بن عروہ (عن عروۃ) محبوب (پسندیدہ) ہیں یا الزہری؟ تو انہوں نے فرمایا: دونوں، اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۵۰ وسندہ صحیح)

دارقطنی نے کہا: ''وهشام وإن كان ثقة فإن الزهري أحفظ منه، والله أعلم''

(سنن الدارقطنی ۴/۲۴۰ ح ۴۵۳۷)

محمد بن حبان البستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے انھیں ثقہ راویوں میں شامل کر کے فرمایا:

''وكان حافظًا متقنًا ورعًا (فاضلاً)'' (الثقات ۵/۵۰۲)

محدث ابن شاہین (متوفی ۳۸۵ھ) نے ہشام بن عروہ کو کتاب الثقات (۱۵۲۶) میں ذکر کیا اور بخاری و مسلم نے اصول میں روایت لے کر ہشام بن عروہ کو ثقہ و صحیح الحدیث قرار دیا۔

اس تمام توثیق کے مقابلے میں ابوالحسن بن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) نے کہا:

''وهشام بن عروة منهم'' اور ہشام بن عروہ ان (مختلطین) میں سے ہیں۔

(بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الأحکام ۵/۵۰۴ ح ۲۷۲۶)

حافظ ذہبی نے ''ولا عبرة'' کہہ کر اس قول کو غیر معتبر قرار دیا (دیکھئے میزان الاعتدال ۴/۳۰۱) اور فرمایا: ''ولم يختلط أبدًا'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا (ایضاً ص ۳۰۱) حافظ ذہبی نے مزید کہا: ''وهشام فلم يختلط قط، هذا أمر مقطوع به'' اور ہشام کو کبھی اختلاط نہیں ہوا، یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے (سیر اعلام النبلاء ۶/۳۶) اور کہا: ''فقول ابن القطان: إنه اختلط قول مردود مرذول'' ابن القطان کا قول کہ ہشام کو اختلاط ہوا، مردود و مرذول ہے۔ (ایضاً ص ۳۶)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ولم نرله في ذلك سلفًا'' اور ہم نے اس قول میں اس (ابن القطان الفاسی) کا کوئی سلف نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ۱۱/۵۱)

معلوم ہوا کہ ہشام بن عروہ پر اختلاط کا الزام مردود و باطل ہے۔

فائدہ: بذاتِ خود ابن القطان الفاسی نے ہشام بن عروہ اور عثمان بن عروہ کے بارے میں

کہا: ''وهشام وعثمان ثقتان ''یعنی ہشام اور عثمان دونوں ثقہ ہیں۔

(بیان الوہم والایہام ۵/۴۲۹ ح ۲۶۰۴)

تنبیہ: ہشام بن عروہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کیا تھا (جس کا آپ پر دنیاوی امور میں، دیگر بیماریوں کی طرح عارضی اثر ہوا مثلاً بعض اوقات آپ یہ بھول جاتے کہ آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں) اس روایتِ صحیحہ پر نیش زنی کرتے ہوئے حبیب الرحمٰن کاندھلوی ولد اشفاق الرحمٰن کاندھلوی لکھتا ہے:

''۵۔ یہ روایت ہشام کے علاوہ کوئی بیان نہیں کرتا۔ اور ہشام کا ۱۳۲ھ میں دماغ جواب دے گیا تھا۔ بلکہ حافظ عقیلی تو لکھتے ہیں۔ قد خرف في آخر عمره - آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے۔ تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ روایت سٹھیانے سے پہلے کی ہے۔

۶۔ ہشام کے مشہور شاگردوں میں سے امام مالک یہ روایت نقل نہیں کرتے۔ بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔ ہشام سے جتنے بھی راوی ہیں سب عراقی ہیں اور اتفاق سے عراق پہنچنے کے چند روز بعد ہشام کا دماغ سٹھیا گیا تھا۔''

(مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت ۲/۹۱)

عرض ہے کہ اختلاط اور سٹھیانے والی بات تو باطل و مردود ہے جیسا کہ حافظ ذہبی کے قول سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ عقیلی کا قول مجھے کتاب الضعفاء وغیرہ میں نہیں ملا۔

محدث ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

''موصوف نے امام عقیلی کے قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال وغیرہ کتب میں امام عقیلی کا یہ قول ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ امام عقیلی نے تو ہشام کا کتاب الضعفاء میں ذکر ہی نہیں کیا۔'' (احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش ص ۱۱۳)

ہشام بن عروہ سے سحر والی روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۶۳۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳ و تفسیر ابن جریر الطبری ۱/۳۶۶،

۳۶۷ وسندہ حسن ،ابن ابی الزناد وثقہ الجمہور) دونوں نے بیان کی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ”بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا۔“ باطل ومردود ہے۔ایک اور شخص لکھتا ہے کہ: ”ہشام بن عروہ ثقہ فقیہ ہے بارہا تدلیس کی ہے (تقریب ج ۲ ص ۲۶۸) چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے اور اصول حدیث میں مدلس کا عنعنہ نا قابل قبول ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔تو اب اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اصول حدیث کی روشنی میں نبی علیہ السلام پر جادو والی روایات سنداً اور متناً غلط ہیں۔“ (جادو کی شرعی حیثیت قرآن کی روشنی میں از تجلی خان ص ۱۷)

حالانکہ صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: ”**حدثنا محمد بن المثنیٰ :ثنا هشام :ثني أبي عن عائشة أن النبي ﷺ سحر حتی کان یخیّل إلیه أنه صنع شیئاً ولم یصنعه** “(درسی نسخہ ۱/ ۴۵۰ ح ۳۱۷۵ کتاب الجزیہ باب ۱۴ **هل یعفی عن الذمي ،إذا سحر ؟**) سماع کی واضح تصریح کے باوجود یہ کہنا کہ ”چونکہ سحر والی روایت عن سے ہے...“ کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک شخص نے لکھا ہے: ”ہشام کی بیان کی ہوئی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عروہ نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تھی......“

(صحیح بخاری کا مطالعہ از شبیر احمد از ہر میرٹھی ج ۲ ص ۸۷)

عرض ہے کہ عروہ بن الزبیر کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا وہ تدلیس سے بری ہیں۔

آپ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (وفات ۵۷ھ) سے سماع وملاقات اور استفادہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۴۰۷۷) وصحیح مسلم (۲۴۱۸ وترقیم دار السلام: ۶۲۴۹ ـ ۶۲۵۱) ومسند الحمیدی (بتحقیقی: ۲۶۴) حدیث کے عام طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ غیر مدلس راوی کا اپنے استاد سے بدون تصریحِ سماع: عن اور قال وغیرہ کے ساتھ روایت کرنا ،سماع پر ہی محمول ہوتا ہے اِلا یہ کہ صریح دلیل سے کسی روایت کی تخصیص ثابت ہو لہٰذا یہ اعتراض بھی مردود و باطل ہے۔

تنبیہ بلیغ: بعض لوگ ہشام بن عروہ کے بارے میں (عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید)

ابن خراش کا قول (کان مالك لا یرضاه....) پیش کرتے ہیں حالانکہ ابن خراش کا بذاتِ خود ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔ عبدان اسے ضعف کی طرف منسوب کرتے تھے (الکامل لابن عدی ۱۶۲۹/۴ وسندہ صحیح) ابوزرعہ محمد بن یوسف الجرجانی رحمہ اللہ نے کہا: ''کان أخرج مثالب الشیخین و کان رافضیاً'' اس نے (سیدنا) ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کے خلاف روایتیں نکالیں اور وہ رافضی تھا۔ [سؤالات حمزۃ السہمی للحاکم: ۳۴۱ وسندہ صحیح]

محدث ابن ناصر الدین (متوفی ۸۴۲ھ) نے (اپنی کتاب) بدیعۃ البیان (عن موت الاعیان) میں ابن خراش کے بارے میں کہا:

''لابن خراش الحالة الرذيلة ذا رافضي جرحه فضيلة''

یعنی ابن خراش کی رذیل (وذلیل) حالت ہے۔ یہ رافضی ہے، اس کی جرح (مجروح کے لئے) باعث فضیلت ہے۔ (شذرات الذہب ۱۸۴/۲)

خلاصۃ التحقیق: ہشام بن عروہ ثقہ وصحیح الحدیث ہیں، اُن پر اختلاط وغیرہ کی جرح مردود ہے۔ رہا مسئلہ تدلیس کا تو قولِ راجح میں وہ ''بريء من التدليس'' تدلیس سے بری ہیں۔

(دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ۳۰/۱ ص ۱۳۱)

فائدہ (۱): صحیحین کے اصول کے راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ صحیحین کے شواہد ومتابعات والے راوی بھی ضرور بالضرور ثقہ وصدوق ہی ہیں۔ (دلائل قطعیہ اور راجح دلائل سے ثابت ہے کہ صحیحین میں متابعات وشواہد میں ضعیف ومجروح راوی بھی موجود ہیں مثلاً عمر بن حمزہ (مسلم) یزید بن ابی زیاد (مسلم) اور ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع (البخاری: ۳۲۹۹ متابعۃ) وغیرہ ضعیف راوی ہیں لیکن صحیحین میں ان کی روایات متابعات، شواہد اور امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح وحسن ہیں۔ والحمد للہ

فائدہ (۲): بعض الناس کا صحیحین کی اصولی روایتوں پر جرح کرنا چنداں باعث تشویش نہیں ہوتا بلکہ اصل مراجع کی طرف رجوع کر کے با آسانی جمہور محدثین کا موقف معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد بعض منکرین حدیث کے صحیحین پر طعن وجرح اور بعض

روایاتِ صحیحین کا مدلل دفاع پیش خدمت ہے:

فائدہ (۳): شیخ البانی رحمہ اللہ، وغیرہ معاصرین اوران سے پہلے لوگوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم پر جو بھی جرح کی ہے، وہ جرح سرے سے مردود ہے۔ علمی میدان میں اس جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ایک اہم بات

اس دفاع میں راقم الحروف نے ثابت کر دیا ہے کہ صحیح بخاری کی جن روایتوں پر منکرینِ حدیث جرح کرتے ہیں یہ روایتیں امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے بھی محدثین کرام نے بیان کی ہیں۔ آپ کے دور میں اور آپ کے بعد بھی ائمۂ کرام نے انھیں (کئی سندوں کے ساتھ) اپنی کتابوں میں باسند نقل کیا ہے۔ ان روایتوں کے صحیح ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے لہٰذا صحیح بخاری (و صحیح مسلم) پر حملہ تمام محدثین کرام، فقہاء عظام، اہلِ علم اور ائمہ دین پر حملہ ہے۔

وما توفیقي إلا باللّٰه علیه توکلت وإلیه أنیب (۲۳/ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری کی چند احادیث اور منکرینِ حدیث

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

قارئین کرام!............ایک منکرِ حدیث نے صحیح بخاری کی چند احادیث پر حملے کئے ہیں۔اسی طرح کے حملے دیگر منکرینِ حدیث بھی کرتے رہتے ہیں لہٰذا عام مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی کے لئے ان اعتراضات کے مدلل جوابات پیشِ خدمت ہیں:

منکرِ حدیث:" ستمبر ۱۹۸۷ میں لکھا گیا .... سے خطاب

(منکر حدیث کا نام اور اڈریس).........................

صحیح بخاری کو "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ" وحی ماننے والے غور کریں۔

(۱) پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ (جلد دوم۔صفحہ ۲۹۲۔روایت نمبر ۶۲۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام بڑے باحیا اور ستر پوش آدمی تھے ان کے حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا ذرا سا حصہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا بنی اسرائیل نے ان کو اذیت دی اور کہا یہ جو اپنے جسم کی اتنی پردہ پوشی کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ ان کا جسم عیب دار ہے یا تو انہیں برص ہے یا فتق ہے یا کوئی اور بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان تمام بہتانوں سے پاک کرنا چاہا سو ایک دن موسیٰ نے تنہائی میں جا کر کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے پھر غسل کیا جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے کپڑے پہننے چلے مگر وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے چلے اور کہنے لگے اے پتھر میرے کپڑے دے اے پتھر میرے کپڑے دے۔

حتیٰ کہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچ گیا انھوں نے برہنہ حالت میں موسیٰ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے اچھا اور ان تمام عیوب سے جو وہ آپ کی طرف منسوب کرتے تھے انھوں نے بری پایا۔وہ پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے پھر موسیٰ نے اپنا عصا لے کر پتھر کو مارنا شروع کیا پس بخدا موسیٰ کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر تین یا چار نشانات ہو گئے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب ہے کہ۔اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے (جو وہ موسیٰ کے بارے کہتے تھے) بری کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت تھے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: ① آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ ..﴾ (احزاب:۶۹)

کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی سکھلائی جبکہ قرآن میں اور تورات میں بنی اسرائیل کی بیسیوں ایذاؤں کا ذکر تھا ایسی حیا سوز ایذا کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

④ اگر یہ حدیث وحی ہے اور آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس وقوعے کی اطلاع دی گئی تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نعوذ باللہ علم نہیں تھا کہ نشان تین ہیں یا چار؟''

(۱) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں تین مقامات پر ہے۔ (ح ۲۷۸، ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے:

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم ح ۳۳۹ وترقیم دارالسلام: ۷۷۰ وبعد ح ۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۶، ۶۱۴۷) ترمذی (السنن: ۳۲۲۱ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' إلخ) النسائی فی التفسیر (۴۴۴، ۴۴۵) الطحاوی فی مشکل الآثار (۱/۱۱) والطبری فی تفسیرہ (تفسیر ابن جریر ۲۲/۳۷)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند ابی عوانہ (۱/۲۸۱) صحیح ابن حبان (الاحسان ۱۴/۹۴ ح ۶۱۷۸، دوسرا نسخہ: ۶۲۱۱) الاوسط لابن المنذر (۲/۱۲۰ ح ۶۴۹) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/۱۹۸) معالم التنزیل للبغوی (۳/۵۴۵)

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے بھی بیان کی ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲/۳۱۵، ۳۹۲، ۵۱۴، ۵۳۵) عبدالرزاق (المصنف: ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درج ذیل جلیل القدر تابعین کی سند سے ثابت ہے:

① ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۱ وصحیح البخاری: ۲۷۸ وصحیح مسلم: ۳۳۹)
② محمد بن سیرین (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
③ خلاس بن عمرو (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
④ الحسن البصری (صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)
⑤ عبداللہ بن شقیق (صحیح مسلم: ۳۳۹ بعد ح ۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۷)

اس روایت کی دوسری سندیں، آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین بھی مروی ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/۵۳۳، ۵۳۵) وتفسیر الطبری (۲۲/۳۶، ۳۷) وکشف الاستار (مسند البزار: ۲۲۵۲) وغیرہ

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''أنه ليس في الحديث أنهم رأوا من موسى الذكر – الذي هو عورة – وإن رأوا منه هيئة تبينوا بها أنه مبرأ مما قالوا من الادرة وهذا يتبين لكل ناظر بلا شك، بغير أن يرى شيئاً من الذكر لكن بأن يرى مابين الفخذين خالياً''

حدیث میں یہ نہیں ہے کہ انھوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر یعنی شرمگاہ دیکھی تھی۔ انھوں نے ایسی حالت دیکھی جس سے واضح ہو گیا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) ان لوگوں کے الزامات کہ وہ آدر ہیں (یعنی ان کے خصیے بہت موٹے ہیں) سے بری ہیں۔ ہر دیکھنے والے کو (ایسی حالت میں) بغیر کسی شک کے ذکر (شرمگاہ) دیکھے بغیر ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ رانوں کے درمیان جگہ خالی ہے۔ (المحلی ۳/۲۱۳ مسئلہ: ۳۴۹)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو جسمانی نقص والے الزامات لگاتے تھے، ان تمام الزامات سے آپ بری تھے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں یہ بھی نہیں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بالکل ننگے نہا رہے تھے۔ امام ابن حزم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے لنگوٹی وغیرہ سے اپنی شرمگاہ کو چھپا رکھا تھا اور باقی جسم ننگا تھا۔ بنی اسرائیل نے آپ کی شرمگاہ کو دیکھا ہی نہیں لہٰذا منکرینِ حدیث کا اس حدیث کا مذاق اڑانا مردود ہے۔ بعض الناس نے کہا کہ ''تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب''؟

عرض ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾

اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴۷ ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۵۴۳)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ الدہلوی کی تحریر سے پڑھ لیں:

"وفرستادیم اُو را بسوئے صد ہزار یا بیشتر از ان باشند" (ص ۵۴۳)

منکرینِ حدیث اس آیت کریمہ میں لفظ "او" کی جو تشریح کریں گے وہی تشریح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول "ستة أو سبعة" میں "او" کی ہے۔ والحمد للہ

منکرِ حدیث: "(۲) موسیٰ کا ملک الموت کی پٹائی کر دینا۔ (جلد دوم صفحہ ۲۹۲ روایت نمبر ۱۲۳۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ملک الموت کو موسیٰ کے پاس بھیجا گیا جب وہ موسیٰ کے پاس آئے تو موسیٰ نے ان کو مکا مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم واپس جا کر اس سے کہو کہ تم کسی بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو پس جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر ملے گی۔ موسیٰ نے کہا: اے اللہ پھر کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آئے گی تو موسیٰ نے کہا: ابھی آ جائے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ انہیں ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ تک قریب کر دے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر راستہ کے کنارے سے ٹیلہ کے نیچے دکھا دیتا۔ روایت ختم۔

تبصرہ: موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کے حکم بردار فرشتہ کے ساتھ یہ سلوک اور اس آمد و رفت اور گفتگو میں موسیٰ کی موت میں کتنی ساعتیں تاخیر ہوئی جب کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آ جائے۔ (المنافقون: ۱۱)"

(۲) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے۔ (۱۳۳۹، ۳۴۰۷)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دار السلام: ۶۱۴۸، ۶۱۴۹) النسائی (سنن النسائی ۴/۱۱۸، ۱۱۹ ح ۲۰۹۱) ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان ۸/۳۸ ح ۶۲۲۳، پرانا نسخہ: ح ۶۱۹۰) ابن ابی عاصم (السنة: ۵۹۹) البیہقی فی الاسماء والصفات (ص ۴۹۲) البغوی فی شرح السنة (۵/۲۶۵، ۲۶۶ ح ۱۴۵۱ وقال: ھذا حدیث متفق علی صحته) الطبری فی التاریخ (۱/۴۳۴ دوسرا نسخہ ۱/۵۰۵) الحاکم فی المستدرک (۲/۵۷۸ ح ۴۱۰۷ وقال: "ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه") وابو عوانہ فی مسندہ (اتحاف المہرۃ ۱۵/۱۰۴)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲/۲۶۹، ۳۱۵، ۵۳۳) عبدالرزاق فی المصنف (۱۱/۲۷۴، ۳۷۵ ح ۲۰۵۳۰، ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۰)

اس حدیث کو سیدنا الامام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے بیان کیا ہے:

① ہمام بن منبہ (البخاری: ۳۴۰۷ مختصراً مسلم: ۲/۲۳۷ وترقیم دار السلام: ۶۱۴۹)

② طاؤس (البخاری: ۱۳۳۹، ۳۴۰۷ ومسلم: ۲/۲۳۷ وترقیم دار السلام: ۶۱۴۸)

③ عمار بن ابی عمار (احمد ۲/۵۳۳ ح ۱۰۹۱۷ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۲/۵۷۸)

اس روایت کی دوسری سند کے لئے دیکھئے مسند احمد (۲/۳۵۱)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے، اسے بخاری، مسلم، ابن حبان، حاکم اور بغوی نے صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ایسی انسانی شکل میں آئے تھے جسے موسیٰ علیہ السلام نہیں پہچانتے تھے۔ حافظ ابن حبان فرماتے ہیں:

''وكان موسىٰ غيوراً، فرأى في داره رجلاً لم يعرفه، فشال يده فلطمه، فأتت لطمته علىٰ فقء عينه التي في الصورة التي يتصور بها، لا الصورة التي خلقه الله عليها'' اور موسیٰ (علیہ السلام) غیور تھے۔ پس انھوں نے اپنے گھر میں ایسا آدمی دیکھا جسے وہ پہچان نہ سکے تو ہاتھ بڑھا کر مکا مار دیا۔ یہ مکا اس (فرشتے) کی (انسانی صورت والی) اس آنکھ پر لگا جو اس نے اختیار کی تھی۔ جس (اصلی) صورت پر اللہ نے اسے پیدا کیا، اس پر یہ مکا نہیں لگا الخ (الاحسان نسخہ محققہ ۱۴/۱۱۵)

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے حافظ ابن حبان کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھئے شرح السنۃ ۵/۲۶۶۔۲۶۸)

اور فرمایا: ''یہ مفہوم ابوسلیمان الخطابی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تاکہ ان بدعتی اور ملحد لوگوں پر رد ہو جو اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث پر طعن کرتے ہیں، اللہ ان (گمراہوں) کو ہلاک کرے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے۔'' (شرح السنۃ ۵/۲۶۸)

مختصر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ فرشتہ ہے اور ان کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہے لہٰذا انھوں نے اسے غیر آدمی سمجھ کر مارا۔ جب انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے اور روح قبض کرنا چاہتا ہے تو لبیک کہا اور سر تسلیم خم کیا۔ پس یہ حدیث ''اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آجائے'' (المنفقون:۱۱) کے خلاف نہیں ہے۔ والحمدللہ

منکر حدیث: ''(۳) سلیمانؑ کا دعوئ غیب اور انشاء اللہ سے لاپرواہی

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جلد دوم صفحہ ۳۰۲ روایت نمبر ۶۴۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن سلیمانؑ نے قسم کھائی کہ میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو ایک شہسوار اور مجاہد فی سبیل اللہ کا حمل ٹھہر جائے گا۔ ان کے ایک صحابی نے کہا انشاء اللہ کہئے مگر سلیمانؑ نے نہ کہا سو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک کے مگر اس کے بھی بچہ ایسا پیدا ہوا جس کی ایک جانب گری ہوئی تھی۔ اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب بچے پیدا ہو کر فی سبیل اللہ جہاد کرتے شعیب، ابوالزناد نے ۹۰ عورتوں کی روایت کی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

تبصرہ: سلیمان علیہ السلام کا اپنے صحابی کے سامنے ۷۰ یا ۹۰ عورتوں کے پاس جانے کا کہنا جب کہ آج کا ایک عام مسلمان اپنی خواہش کی تکمیل کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک اولوالعزم رسول سے یہ بات باعث تعجب ہے۔

صحابی کے توجہ دلانے پر بھی انشاء اللہ نہ کہنا اور علم غیب کا ایسا دعویٰ کہ ۷۰ ہی مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے اور اس ساری داستان کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کرا دی۔''

(۳) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے:

(۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۶۵۴) صحیح ابن حبان (۴۳۲۲، ۴۳۲۳، دوسرا نسخہ: ۴۳۳۷، ۴۳۳۸) سنن النسائی (۲۵/۷ ح ۳۸۶۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۴/۱۰) مشکل الآثار للطحاوی (۳۷۷/۲ ح ۱۹۲۵) شرح السنۃ للبغوی (۱۴۷/۱ ح ۹۷ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی (۲۷۹/۲، ۲۸۰ وقال: ''وھو صحیح ثابت متفق علیٰ صحتہ'')

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:
احمد بن حنبل (المسند ۲/۲۲۹، ۲۷۵، ۵۰۶) حمیدی (المسند : ۱۱۷۴، ۱۱۷۵)
عبدالرزاق فی التفسیر (۱/۳۳۷ ح ۱۶۶۸، ۱۶۶۹)
اس حدیث کو درج ذیل تابعین کرام نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

① عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج
(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۶۶۳۹ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و ترقیم دار السلام: ۴۲۸۹)

② طاؤس (صحیح بخاری: ۵۲۴۲، ۶۷۲۰ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و دار السلام: ۴۲۸۶)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی سابقہ روایات کی طرح بالکل صحیح ہے اور اسے بھی امام بخاری سے پہلے، ان کے زمانے میں اور بعد والے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔
جو لوگ صحیح بخاری کی احادیث پر طعن کرتے ہیں وہ درحقیقت تمام محدثین پر طعن کرتے ہیں کیونکہ یہی احادیث دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہیں۔

تنبیہ ①: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دعویٰ غیب نہیں کیا تھا بلکہ یہ ان کا اجتہاد و اندازہ تھا۔

تنبیہ ②: ان روایات میں سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد ستر، نوے اور سو مذکور ہے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ ستر آزاد بیویاں تھیں اور باقی لونڈیاں تھیں۔
دیکھئے فتح الباری لابن حجر (۶/۴۶۰ تحت ح ۳۴۲۴)

تنبیہ ③: سابقہ شریعتوں میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی جب کہ شریعتِ محمدیہ میں امتِ محمدیہ کے ہر شخص کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ ④: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا'' الخ
کسی حدیث میں یہ بالکل نہیں آیا کہ سلیمان علیہ السلام نے ممبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا بلکہ حدیث میں صحابی کا ذکر ہے جس سے مراد فرشتہ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰)
لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے۔ دوسرا یہ کہ سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے نا کہ

انھوں نے اسے قصداً ترک کیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰)

منکر حدیث: ''(۴) لوط علیہ السلام پر شرک کا الزام

(جلد دوم۔ صفحات ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۱۔ روایات ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۱۳۔ سب کا ایک مضمون ہے)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوطؑ کی مغفرت فرمائے وہ ایک مضبوط رکن کی پناہ چاہتے تھے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: مضبوط رکن

رکن کی پناہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے (ھود ۱۱/۸۰) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے پناہ لینے کے زمرے میں نہیں آتی۔ لوطؑ نے اصطلاحاً کلمۂ تأسف کے طور پر مشرکین سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا جبکہ کوئی بھی مواحد ان کا مددگار ساتھی نہ تھا سوائے قلیل کمزوروں کے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک اہلِ حدیث مولوی کی زبانی لوط علیہ السلام کا شرک سنایا تھا اس اہلحدیث مولوی نے یہ بات بخاری ہی میں پڑھی ہوگی اس نے اس لئے کہا ہوگا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں۔ جبکہ شرکیہ جرائم کی مغفرت کی دعا کرنے کی تو اسلام اجازت ہی نہیں دیتا۔''

(۴) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے۔ (۳۳۷۲، ۳۳۷۵، ۳۳۸۷، ۴۵۳۷، ۴۶۹۴، ۶۹۹۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۵۱ و بعد ح: ۲۳۷۰) سنن الترمذی (۳۱۱۶ وقال: ھذا حدیث حسن) صحیح ابن حبان (۶۱۷۴ دوسرا نسخہ: ۶۲۰۷) سنن ابن ماجہ (۴۰۲۶) مشکل الآثار للطحاوی (۱/۱۳۴-۱۳۶) صحیح ابی عوانہ (۱/۷۹، ۸۰) المستخرج لابی نعیم (۱/۲۱۵ ح ۳۸۰) تفسیر طبری (۱۲/۸۸، ۱۳۹) المستدرک للحاکم (۲/۵۶۱ ح ۴۰۵۴ وقال: صحیح علیٰ شرط مسلم، ووافقہ الذہبی) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۲۵۴) الایمان لابن مندۃ (۱/۴۸۷ ح ۳۷۱، ۱/۴۸۵ ح ۳۶۸، ۳۶۹) الادب المفرد للبخاری (۶۰۵، ۸۹۶) تفسیر بغوی (۲/۳۹۵، ۳۹۶) وشرح السنۃ لہ (۱/۱۱۴، ۱۱۵ ح ۶۳ وقال البغوی: ''ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ'') تاریخ بغداد (۷/۱۸۲ ت ۳۶۳۱)

اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (۳۲۲/۲، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۴۶، ۳۵۰ (ح ۸۵۹۰) ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۱۶، ۵۳۳)

اور سعید بن منصور (سنن سعید بن منصور ح ۱۰۹۷ طبعہ جدیدہ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے بیان کرنے والے درج ذیل ثقہ و جلیل القدر تابعین ہیں:

① ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ و صحیح مسلم: ۳۸۲/۱۵۱ و بعد ح: ۲۳۷۰)

② سعید بن المسیب (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ و صحیح مسلم: ۱۵۱)

③ ابو عبید (صحیح بخاری: ۳۳۸۷ و صحیح مسلم: ۱۵۱)

④ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح بخاری: ۳۳۷۵ و صحیح مسلم: ۱۵۱ بعد ح: ۲۳۷۰)

اس روایت کے شواہد اور تائیدی روایات کے لئے دیکھئے تاریخ طبری (۳۰۳/۱ و سندہ حسن) و مصنف ابن ابی شیبہ (۵۲۳/۱۱۔۵۲۵ ح ۳۱۸۲۶) والاوسط للطبرانی (۳۷۵/۹ ح ۸۸۰۸) والمستدرک للحاکم (۵۶۳/۲ ح ۴۰۵۹)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے یہ حدیث دنیا میں صحیح سند سے موجود تھی۔ والحمدللہ

اس کی تائید قرآن کریم میں ہے کہ لوط (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ ''کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی طاقتور سہارے کی پناہ لے سکتا''

(سورۃ ھود: ۸۰، تدبر قرآن ۱۳۳/۴، ۱۳۴)

تنبیہ بلیغ: تدبر قرآن کا مصنف امین احسن اصلاحی منکرینِ حدیث میں سے تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ان منکرینِ حدیث پر حجت قاطعہ ہے۔

پرویز نے رکن کا ترجمہ ''سہارا'' کیا ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن ۸۰۷/۲)

مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن امام قتادہ رحمہ اللہ نے ''رکن شدید'' کی تشریح ''العشیرۃ'' خاندان، سے کی ہے۔ (تفسیر طبری ۵۲/۲۱، ۵۳ و سندہ صحیح)

مضبوط قبیلے والوں کی حمایت و مدد مانگنا شرک نہیں ہے بلکہ یہ استمداد ماتحت الاسباب ہے۔
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ﴿مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ ط﴾ کون میرا مددگار ہے اللہ کی راہ میں؟ (سورۃ الصف:۱۴)

ماتحت الاسباب مدد مانگنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا شرک نہیں ہوتا۔ شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک کیا جائے یا اموات سے مافوق الاسباب مدد مانگی جائے لہٰذا منکرین حدیث کی طرف سے سیدنا لوط علیہ السلام پر شرک کا الزام باطل و مردود ہے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: "(۵) رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر۔؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۴۳۵ روایت نمبر ۵۰۰)

لیث نے کہا مجھے ہشام نے ایک خط لکھا جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے والد انھوں نے عائشہؓ سے سنا اور میں نے خوب یاد رکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کو نہ کئے کام کے متعلق خیال ہوتا کہ کر چکے ہیں۔ (یہ روایت کا ایک متعلقہ حصہ درج کیا گیا ہے)

تبصرہ: کیا رسول اللہ ﷺ جادو کی مدت کے دوران وحی الٰہی پہنچاتے تھے یا نہیں۔؟ اور پہنچاتے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوگی کہ آپ نے وحی نہ لکھوائی اور خیال کرتے ہوں گے کہ لکھوا چکا ہوں۔ شاید اسی طرح قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہو جیسے کہ شیعہ کا خیال ہے اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ایسی بعض روایات تحریر ہیں۔"

(۵) الجواب: نبی کریم ﷺ پر دنیاوی اُمور میں، مرض کی طرح عارضی طور پر جادو کے اثر والی روایت صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے۔ (۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ اسے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:
مسلم بن الحجاج النیسابوری (صحیح مسلم: ۲۱۸۹ و ترقیم دار السلام: ۵۷۰۳، ۵۷۰۴) ابن ماجہ (السنن: ۳۵۴۵) النسائی (الکبریٰ: ۷۶۱۵ دوسرا نسخہ: ۷۵۶۹) ابن حبان (فی صحیحہ: الاحسان ح ۶۵۴۹، ۶۵۵۰ دوسرا نسخہ: ۶۵۸۳، ۶۵۸۴) ابو عوانہ (فی الطب / اتحاف المہرۃ ۱۷/۳۱۹ ح ۲۲۳۱۶) الطحاوی (مشکل الآثار / تحفۃ الاخیار ۶/۶۰۹ ح ۴۷۸۸) الطبرانی

(الاوسط : ۵۹۲۲) البیہقی (السنن الکبریٰ ۸/ ۱۳۵، دلائل النبوۃ ۶/ ۲۴۷) ابن سعد (الطبقات ۲/ ۱۹۶) ابن جریر الطبری (فی تفسیرہ ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷) البغوی (شرح السنۃ ۱۲/ ۱۸۵، ۱۸۶ ح ۳۲۶۰ وقال: ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۶/ ۵۰، ۵۷، ۶۳، ۹۶) الحمیدی (۲۶۰ بتحقیقی) ابن ابی شیبہ (المصنف ۷/ ۳۸۸، ۳۸۹ ح ۲۳۵۰۹) اسحاق بن راہویہ (المسند قلمی ص ۸۶ / ا، ح ۲۴۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت مشہور ثقہ امام و تابعی عروہ بن زبیر نے بیان کی ہے۔ عروہ سے ان کے صاحب زادے ہشام بن عروہ (ثقہ امام) نے یہ روایت بیان کی ہے۔

فائدہ ①: ہشام بن عروہ نے سماع کی تصریح کردی ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۱۷۵)

فائدہ ②: ہشام سے یہ روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۲۶۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳، تفسیر طبری ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷ وسندہ حسن) وغیرہما نے بھی بیان کی ہے۔ والحمدللہ

اس روایت کی تائید کے لئے دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۹۷۶۴) وصحیح بخاری (قبل ح ۳۱۷۵) وطبقات ابن سعد (۲/ ۱۹۹ عن الزہری وسندہ صحیح) والسنن الصغریٰ للنسائی (۷/ ۱۱۲ ح ۴۰۸۵) ومسند احمد (۴/ ۳۶۷) ومسند عبد بن حمید (۲۷۱) ومصنف ابن ابی شیبہ (۷/ ۳۸۸ ح ۲۳۵۰۸) وکتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی (۳/ ۲۸۹، ۲۹۰) والمستدرک (۴/ ۳۶۰، ۳۶۱) ومجمع الزوائد (۶/ ۲۸۹، ۲۹۰)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ دراصل تمام محدثین پر حملہ ہے۔

تنبیہ ①: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان رسیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے جنھیں جادوگروں نے پھینکا تھا۔ جادوگروں نے ایسا جادو چلایا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ (رسیاں سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی﴾ ان کے جادو (کے

زور) سے موسیٰ کو یوں خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔(آسان لفظی ترجمہ ص۵۰۲ طٰہٰ:۶۶)

معلوم ہوا کہ جادو کا عارضی اثر خیال پر ہوسکتا ہے لہٰذا آپ ﷺ کا یہ خیال کرنا کہ میں نے یہ (دنیا کا) کام کرلیا ہے، قطعاً قرآن کے خلاف نہیں ہے۔

منکرین حدیث کو چاہئے کہ وہ ایسی قرآنی آیت پیش کریں جس سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ دنیاوی امور میں نبی کے خیال پر جادو کا اثر نہیں ہوسکتا۔ جب ایسی کوئی آیت ان کے پاس نہیں اور سورت طٰہٰ کی آیت مذکورہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے تو ان لوگوں کو چاہئے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور امت مسلمہ کی متفقہ صحیح احادیث پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

تنبیہ ④: روایت مذکورہ میں جادو کی مدت کے دوران میں دینی امور اور وحی الٰہی کے سلسلے میں جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہے۔ بلکہ اس جادو کا اثر صرف دنیا کے معاملات پر ہوا تھا، مثلاً آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں؟ لہٰذا دین اسلام قرآن وحدیث کی صورت میں من وعن محفوظ ہے۔ والحمدللہ

منکر حدیث: ''(٦) کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۴۴۷۔ روایت نمبر ۱۰۲۹)

عمر بن میمون سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو جس نے زنا کیا تھا دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے پاس جمع ہوگئے اور ان سب نے اسے سنگسار کر دیا میں نے بھی ان سب کے ساتھ اسے سنگسار کر دیا۔ (روایت ختم)

تبصرہ: ۱۔ کیا یہ روایت وحی ہے شاید زانی کو سنگسار کرنے کی دلیل یہی روایت ہو البتہ سنا جاتا ہے کہ سنگسار کی آیت پہلے موجود تھی اب قرآن میں موجود نہیں ہے البتہ اس کا حکم باقی ہے۔

۲۔ کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟ کیا ان کے بھی نکاح ہوتے ہیں اگر ان میں نکاح ہوتے ہیں تو زنا بھی ہوسکتا ہے اگر نکاح نہیں تو زنا کیسا؟ اور راوی کو یہ باتیں کس علم سے معلوم ہوئیں کیا وہ بندروں کی زبان جانتے تھے۔

راوی کا یہ بیان ہے کہ اس نے بھی بندروں کے ساتھ مل کر زانی بندر کو سنگسار کیا۔ جناب یہ راوی نے بہت بڑا جرم اور بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے۔ احکام باری تعالیٰ کسی بھی جاندار پر ناحق ظلم سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں اب راوی نے جو بندر کو سنگسار کیا تو کیا اس نے کوئی جرم کیا تھا یا تو دنیا کی کسی بھی شریعت میں بندروں کے باہمی ملاپ کو جرم زنا ثابت کریں وگرنہ میں پھر کہوں گا کہ راوی نے یہ زیادتی کی ہے اس روایت کو بھی سنگسار کیا جائے۔''

(۶) الجواب: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدثنا نعیم بن حماد: حدثنا هشیم عن حصین عن عمرو بن میمون قال: رأیت في الجاهلیة قردةً اجتمع علیها قردة قدزنت، فرجموها فرجمتها معهم''

ہمیں نعیم بن حماد نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، وہ حصین سے وہ عمرو بن میمون (تابعی) سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جاہلیت (کے زمانے) میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا، اس پر بندر اکٹھے ہوئے، پس انھوں نے اسے رجم کیا اور میں نے ان کے ساتھ مل کر اسے رجم کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۴۹)

اس روایت کی سند کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ نعیم بن حماد کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق کہا ہے۔ ہشیم کی حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے کیونکہ وہ حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے شرح علل الترمذی لابن رجب (۵۶۲/۲) ہشیم کی متابعت کے لئے دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۲۹۲/۴۹)

عمرو بن میمون مشہور تابعی اور ''ثقہ عابد'' تھے۔ (دیکھئے التقریب: ۵۱۲۲)

عمرو بن میمون سے یہ روایت عیسیٰ بن حطان نے مفصل بیان کر رکھی ہے۔

(تاریخ ابن عساکر ۲۹۲/۴۹، ۲۹۳)

صحیح بخاری اور تاریخ دمشق کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

التاریخ الکبیر للبخاری (۳۶۷/۶) مستخرج الاسماعیلی اور مستخرج ابی نعیم الاصبہانی (دیکھئے فتح الباری ۱۶۰/۷، ۱۶۱) التاریخ الکبیر للامام ابن ابی خیثمۃ (ص ۵۶۹)

تابعی کی یہ روایت نہ قولِ رسول ہے اور نہ قولِ صحابی ہے بلکہ صرف تابعی کا قول ہے۔ اب اس قول میں بندروں سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن عبدالبر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندر جن تھے۔ دیکھئے فتح الباری (۱۶۰/۷)

جنوں کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے دیکھئے سورۃ الاحقاف (آیت: ۲۹) وغیرہ، کیا

منکرینِ حدیث اور منکرین سزائے رجم کو اس بات پر اعتراض ہے کہ جنوں نے زنا کرنے والی جنی (مادہ جن) کو کیوں رجم کر دیا تھا؟ تو کیا جن مکلّف مخلوق نہیں ہیں؟

تنبیہ ①: شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا صحیح و متواتر احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۶۸۱۴) وصحیح مسلم (۱۷۰۲) اور نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص۱۷۴ حدیث:۱۸۲)

تنبیہ ②: جنوں کا جانوروں کی شکل اختیار کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (ح۲۲۳۶ وترقیم دارالسلام:۵۸۳۹) وموطأ امام مالک (۲/۹۷۶، ۹۷۷ ح۱۸۹۴)

تنبیہ ③: بندر کی شکل اختیار کئے ہوئے زانی جن کی حمایت میں یہ کہنا کہ ''بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے'' تو ایسے شخص کو زنا کرنے والے جنوں (اور زانی انسانوں) کے حامی کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ منکرین حدیث کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان کے نزدیک جنوں کے لئے زنا کرنا معاف ہے!!

منکرِ حدیث: ''(۷) فاتوا حرثکم انّٰی شئتم کی تفسیر

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۳۱ ،۷ روایت نمبر ۱۶۴۱)

دوسری سند عبدالصمد۔ عبدالوارث۔ ایوب۔ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ فاتوا حرثکم انّٰی شئتم سے مطلب یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے بعض لوگ اغلام کرتے تھے چنانچہ اس آیت سے اس فعل سے روکا گیا ہے۔ لمبی حدیث ہے یحییٰ قطان۔ عبداللہ۔ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

تبصرہ: اغلام کرنے والے کون تھے صحابہ یا کوئی اور۔ مدنی دور تک یہ فعل چلتا رہا......... انی شئتم سے مراد جس وقت جب دل چاہے بھی ہو سکتا ہے نہ کہ جس طرف سے یا جہاں سے''

(۷) الجواب: صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے:

''حدثني إسحاق: أخبرنا النضر بن شميل: أخبرنا ابن عون عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه، فأخذت عليه يومًا فقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان قال: تدري فيما

أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت في كذا وكذا ثم مضى۔

وعن عبدالصمد: حدثني أبي: حدثني أيوب عن نافع عن ابن عمر ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾

قال: يأتيها في۔ رواه محمد بن يحيٰى بن سعيد عن أبيه عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر۔"

ہمیں اسحاق (بن راہویہ) نے حدیث بیان کی: ہمیں نضر بن شمیل نے خبر دی: ہمیں (عبداللہ) ابن عون نے خبر دی وہ نافع سے بیان کرتے ہیں، کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تو (قراءت سے) فارغ ہونے تک کوئی کلام نہ کرتے۔ ایک دن میں نے ان کے سامنے (قرآن مجید) لیا تو آپ نے سورۃ البقرہ پڑھی، جب آپ ایک مقام پر پہنچے تو فرمایا: تجھے پتا ہے یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: یہ اس اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے (تلاوت) شروع کر دی۔

عبدالصمد (بن عبدالوارث) سے روایت ہے: مجھے میرے ابا (عبدالوارث) نے حدیث بیان کی: (انھوں نے کہا:) مجھے ایوب (سختیانی) نے حدیث بیان کی وہ نافع سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ اپنی کھیتی کو آؤ جس طرح چاہو (البقرۃ: ۲۲۳) کی تشریح میں فرمایا: --- میں آئے۔

اسے محمد بن یحیٰی بن سعید (القطان) نے اپنے والد سے، انھوں نے عبیداللہ (بن عمر) سے انھوں نے نافع سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔" (صحیح بخاری: ۴۵۲۶، ۴۵۲۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں "بعض لوگ اغلام کرتے تھے" کے الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں لہٰذا منکرِ حدیث نے صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے بچہ پیدا ہونے والی جگہ میں جماع کرنا چاہئے دیکھئے صحیح بخاری مترجم (ترجمہ وتشریح محمد داود راز ۶/ ۱۰۰ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور) والسنن الکبریٰ للنسائی (۸۹۷۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۸۹۲۹) لہٰذا اس

قول سے لواطت کا جواز ثابت کرنا بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔

منکر حدیث: "(۸) کیا چوہے قوم بنی اسرائیل کا گمشدہ گروہ ہیں۔

(جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۶ روایت نمبر ۵۳۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا معلوم نہیں کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ یہ چوہے (مسخ شدہ صورت میں) وہی گم ہوا گروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جاتا ہے تو نہیں پیتے اور جب بکری وغیرہ کا دودھ رکھا جائے تو پی لیتے ہیں پھر میں نے کعب سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے کہا تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں انھوں نے کئی مرتبہ مجھ سے یہی کہا تو میں نے کہا اور کیا، میں تورات پڑھا ہوا ہوں۔

تبصرہ: مسخ شدہ اقوام کے تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہنے کی وحی آنے سے پہلے یہ حدیث ہے۔

مندرجہ بالا روایت آپ کا ذاتی خیال ہے یا وحی ہے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں.... پھر روایت کا متن دیکھیں کیا آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ دو ہزار سال بعد بھی بنی اسرائیل جن کی شکلیں مسخ کی گئی تھیں زندہ ہیں نبیؐ کے علم کا یہ تصور (معاذ اللہ)"

(۸) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری (۳۳۰۵) کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے: صحیح مسلم (۲۹۹۷ وترقیم دارالسلام: ۷۴۹۶، ۷۴۹۷) صحیح ابن حبان (الاحسان ۵۲/۸ ح ۶۲۲۵ دوسرا نسخہ: ۶۲۵۸) الرقاق لابی عوانہ (اتحاف المھرۃ ۵۵۵/۱۵ ح ۱۹۸۷۲) مسند ابی یعلیٰ (۴۲۰/۱۰ ح ۶۰۳۱) شرح السنۃ للبغوی (۲۰۰/۱۲ ح ۳۲۷۱ وقال: "ھذا حدیث متفق علی صحته") مشکل الآثار للطحاوی (۳۳۹/۸ ح ۶۰۰۸)

اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(المسند ۲/۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۹، ۴۱۱، ۴۹۷، ۵۰۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مشہور تابعی محمد بن سیرین نے بیان کی ہے۔ اس کی دوسری سند "عن أبي سلمة عن أبي هريرة" کے لئے دیکھئے مشکل الآثار (طبعہ جدیدہ، تحفۃ الاخیار: ۶۰۰۹)

معلوم ہوا کہ یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہے۔ اسے محدثینِ کرام

نے بغیر کسی اختلاف کے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث دوسری صحیح حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إن اللّٰه عز وجل لم يهلك قومًا أو يعذب قومًا فيجعل لهم نسلاً'' بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے تو پھر ان کی نسل باقی نہیں رکھتا (صحیح مسلم: ۲۶۶۳ وترقیم دارالسلام: ۶۷۷۲) نیز دیکھئے فتح الباری (۱۶۰/۷) ومشکل الآثار (۳۳۹/۸، ۳۴۱، ۳۸۱/۶) منسوخ روایت کو پیش کر کے صحیح احادیث کا مذاق اڑانا ان لوگوں کا ہی کام ہے جو قرآن کو ''بلا رسول'' سمجھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔!

منکر حدیث: ''(۹) گوشت کے سڑنے اور عورتوں کے خائن ہونے کی وجہ

(جلد دوم۔ صفحہ ۲۵۳۔ روایت نمبر ۵۵۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ (روایت ختم ہوئی)

تبصرہ: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا۔ جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت کے گلنے سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں۔ گوشت کا گلنا سڑنا تو ایک کائناتی نظام ہے اور وجود اقوام عالم اس کائناتی نظام میں تغیر کا باعث نہیں بنتا۔

اگر گوشت آجکل گل سڑ جاتا ہے تو بنی اسرائیل سے پہلے بھی یہ نظام کائنات ایسے ہی چلتا رہا ہوگا ورنہ مشرکوں کو اپنے گئے گذرے بزرگوں کے بت بنا کر پوجنے کی کیوں ضرورت پیش آئی جب اجسام گلتے سڑتے نہیں تھے تو وہ ان کی مردہ لاشوں کو ہی نکال کر اپنے بت کدوں میں سجالیتے ان کے بت بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

اور قرآن مجید میں تو صاف اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور دوبارہ اسے مٹی میں ہی لوٹا دیتا ہے اور پھر بروز قیامت اسے مٹی سے ہی نکال کھڑا کرے گا۔ اور جس طریقے سے انسان کی مردہ لاش گل سڑ کر مٹی ہوتی ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔

تو اب فرمایئے کہ کیا نبی ﷺ کا یہ فرمان بذریعہ وحی تھا نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ خالق کائنات کو بھی گوشت کے سڑنے کی وجوہات معلوم نہ تھیں اور کیا سب عورتیں اسی وجہ سے خاوندوں کی خیانتیں کرتی ہیں جو وجہ مندرجہ بالا حدیث میں موجود ہے۔

کیا دونوں معاملات کی وجوہات اللہ تعالیٰ کی وحی فرمودہ ہے؟

﴿كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ (مدثر: ۳۸)

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن ہے۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو کسی بھی شخصیت کا وجود یا اس کے ہاتھوں کسی قسم کے جرم کا ارتکاب آنے والی نسل کے پاؤں کی زنجیر کیونکر بن سکتا ہے۔ کسی شخصیت کے وجود کو کائناتی برائیوں کی جڑ سمجھنا خلاف قرآن ہے مگر قرآن تو برے اعمال کو منحوس قرار دیتا ہے کسی شخصیت کے وجود کو نہیں (یٰس ؔ)"

(۹) **الجواب:** یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے (۳۳۹۹ من طریق عبدالرزاق، ۳۳۳۰ من طریق عبداللہ بن المبارک، **کلاھما عن معمر عن ھمام عن أبي ھریرۃ به**) صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

صحیح مسلم (۶۳/۱۴۶۸ و ترقیم دارالسلام: ۳۶۴۸) صحیح ابن حبان (الاحسان ۴۱۵۷، نسخہ محققہ: ۴۱۶۹) شرح السنۃ للبغوی (۱۶۴/۹ ح ۲۳۳۵ وقال: "ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ") المستخرج علیٰ صحیح مسلم لابی نعیم الاصبہانی (۱۴۳/۴ ح ۳۴۵۰)

امام بخاری سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۵۸) احمد بن حنبل (المسند ۳۱۵/۲ ح ۸۱۵۵)

ہمام بن منبہ بالاجماع ثقہ ہیں لہٰذا یہ روایت بلحاظِ اصولِ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس کے دوسرے شواہد کے لئے دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱۷) ومسند احمد (۳۰۴/۲) وحلیۃ الاولیاء (۳۸۹/۸) اور مستدرک الحاکم (۱۷۵/۴)

منکرِ حدیث نے اس حدیث کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں....."

عرض ہے کہ کیا ان جراثیم کی وجہ سے خود بخود گوشت خراب ہو جاتا ہے یا اس کے خراب ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہ جراثیم اسی کے پیدا کردہ ہیں؟

نام نہاد تجربے کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد کرنا انھی لوگوں کا کام ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف قرآن پہنچانا تھا، اس نے پہنچا دیا۔ اب قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے منکرین حدیث کے نزدیک رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!!

منکرین حدیث سے درخواست ہے کہ اس صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے قرآن مجید

کی وہ آیت پیش کریں جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ بنی اسرائیل کے وجود سے پہلے بھی دنیا میں گوشت گل سڑ جاتا تھا۔ اگر قرآن سے دلیل پیش نہ کر سکیں تو پھر ایسی مشین ایجاد کریں جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کو زمانۂ بنی اسرائیل سے پہلے والے دور میں لے جا کر دکھا دیں کہ دیکھو یہ گوشت گل سڑ رہا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر سوچ لیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان رد کرنے والوں کا کیا انجام ہوگا؟

تنبیہ: بعض علماء نے اس حدیث کی کئی تشریحات لکھی ہیں مثلاً دیکھئے "مشکلات الأحادیث النبویة وبیانها" (ص ۱۱) لیکن ظاہر الفاظ کتاب وسنت پر ایمان لانے میں ہی نجات ہے۔ اِلا یہ کہ کوئی صحیح دلیل قرینہ صارفہ بن کر ظاہر کو مجاز کی طرف پھیر دے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: "(۱۰) نحوست تین چیزوں میں ہے؟

(جلد دوم صفحہ نمبر ۱۸ روایت نمبر ۱۲۲)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔

(روایت نمبر ۱۲۳) سہل بن سعد ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت میں ہوتی، مکان میں ہوتی۔ گھوڑے میں ہوتی۔

تبصرہ: مذکورہ بالا روایات ۱۲۲، ۱۲۳ اپنا تبصرہ آپ ہیں۔ ایک روایت میں تین چیزوں میں نحوست بیان کی گئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بالحق پیدا کیا ہے منحوس اور باطل پیدا نہیں کیا۔ انسان کا کردار تو منحوس ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی بھی مخلوق کی تخلیق میں نحوست نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کے نتائج خیر پر مبنی ہوتے ہیں۔

دوسری روایت میں مشروط نفی ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ ایک ہی صفحہ پر ایسی متضاد روایات کی مثال کہیں ملنا ناممکن ہے اور پھر ان دونوں روایات کو وحی کہہ کر نبی ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔"

(۱۰) الجواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ روایت صحیح بخاری میں چار مقامات پر ہے۔ (۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۲۲۲۵ ترقیم دار السلام: ۵۸۰۴، ۵۸۰۵) التوکل للامام ابن خزیمہ (اتحاف المھرۃ

۸/۳۰۷ ح ۹۴۳۴) وسنن ابی داود (۳۹۲۲) وسنن الترمذی (۲۸۲۴ وقال: ھذا حدیث صحیح) وسنن النسائی (۶/۲۲۰ ح ۳۵۹۸، ۳۵۹۹) وسنن ابن ماجہ (۱۹۹۵) وشرح معانی الآثار للطحاوی (۴/۳۱۳) ومشکل الآثار لہ (تحفۃ الاخیار ۱/۲۱۸ ح ۲۰۵) وشرح السنۃ للبغوی (۹/۱۳ ح ۲۲۴۴ وقال: "ھذا حدیث متفق علی صحتہ") مسند ابی یعلیٰ (۵۴۳۳، ۵۴۹۰، ۵۵۳۵)

امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

امام مالک (الموطا ۲/۹۷۲ ح ۱۸۸۳، التمہید ۹/۲۷۸) عبدالرزاق (المصنف ۱۰/۴۱۱ ح ۱۹۵۲۷) ابو داود الطیالسی (۱۸۲۱) ابوبکر الحمیدی (۶۲۱) اور احمد بن حنبل (۲/۸ ح ۴۵۴۴ و ۲/۵۲، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۶)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے درج ذیل جلیل القدر تابعین نے بیان کیا ہے:

① سالم بن عبداللہ بن عمر ② حمزہ بن عبداللہ بن عمر

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے شاذ یا معلول قرار دینا غلط ہے لیکن یہ حدیث دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إن كان الشؤم في شيءٍ ففي الدار و المرأة و الفرس" اگر بدشگونی کسی چیز میں ہوتی تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔

(صحیح بخاری: ۵۰۹۴ وصحیح مسلم: ۲۲۲۵، دارالسلام: ۵۸۰۷، ۵۸۰۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

یہ روایت اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل صحابہ سے بھی موجود ہے:

① سہل بن سعد الساعدی (صحیح بخاری: ۲۸۵۹، ۵۰۹۵ وصحیح مسلم: ۲۲۲۶، دارالسلام: ۵۸۱۰)

② جابر بن عبداللہ الانصاری (صحیح مسلم: ۲۲۲۷، دارالسلام: ۵۸۱۲)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت باصول محدثین بالکل صحیح ہے لیکن دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ دنیا میں جھگڑے فساد کی جڑ عام طور پر یہی تین چیزیں ہیں۔ عورت، گھر (زمین) اور گھوڑا (یعنی فوجیں)۔ واللہ اعلم

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ " لا طیرۃ " کوئی نحوست اور بدشگونی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۷۵۴ و صحیح مسلم: ۲۲۲۳ عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

نیز دیکھئے فتح الباری (۶/ ۶۰۔ ۶۳ تحت ح ۲۸۵۸، ۲۸۵۹) والحمد للہ

منکر حدیث: "(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی

(جلد اول۔ صفحہ نمبر ۸۲۰ روایت نمبر ۲۲۱۱)

حسین ابن علی علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ

نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے دن ایک اونٹنی ملی اور پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹنی اور دی ان دونوں کو ایک دن میں نے ایک انصاری کے دروازے پر بٹھایا اور میں ارادہ کر رہا تھا کہ ان دونوں پر اذخر لاد کر لے جاؤں تا کہ بیچوں اور میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار تھا اس سے فاطمہؓ کے ولیمہ کی دعوت میں مدد لوں حمزہؓ بن عبدالمطلب اسی گھر میں شراب پی رہے تھے ان کے ساتھ ایک گانے والی تھی الایا حمزۃ بشرف النواء۔ اے حمزہ آگاہ ہو فربہ اونٹنیاں لے لو۔ حمزہ ان دونوں اونٹنیوں کی طرف تلوار لے کر جھپٹ پڑے ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور کوکھے کاٹ ڈالے پھر ان دونوں کی کلیجیاں کاٹ ڈالیں میں نے ابن شہاب سے پوچھا کوہان کیا ہوا کہا کوہان کاٹ کر لے گئے ابن شہاب کا بیان ہے کہ علیؓ نے کہا کہ میں نے ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ میں (یعنی علیؓ) نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے پاس زیدؓ بن حارثہ بھی تھے۔ میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا تو آپ چلے اور آپ کے ساتھ زیدؓ بھی چلے میں بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوا۔ آپ حمزہؓ کے پاس پہنچے اور بہت غصہ ہوئے حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی اور کہا کیا تم میرے باپ دادوں کے غلام ہو؟ رسول اللہ ﷺ الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور ان کے پاس سے چلے گئے (یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے)

تبصرہ: کیا غیر محرم کے ساتھ گانا بھی مباح تھا اس کے علاوہ دوسری روایت اسی مضمون کی جو بخاری جلد دوم صفحہ ۵۱۵ روایت نمبر ۱۱۸۰ جس میں یاروں کی مجلس کا بھی ذکر ہے۔ علیؓ کی اجازت کے بغیر ان کی دو اونٹنیوں کا جھٹکا کر دیا۔

صحابہؓ کا یہ کردار خلاف قرآن سمجھا جائے گا لہٰذا یہ حقیقت کی بجائے صحابہ پر بہتان ہوگا۔"

(۱۱) الجواب: یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر موجود ہے۔

(۲۰۸۹، ۲۳۷۵، ۳۰۹۱، ۴۰۰۳، ۵۷۹۳ مختصراً و مطولاً)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۹۷۹ و ترقیم دارالسلام: ۵۱۲۷۔ ۵۱۳۰) صحیح ابن حبان (الاحسان ۷/ ۳۴ ح ۴۵۱۹ دوسرا نسخہ: ۴۵۳۶) صحیح ابی عوانہ (۵/ ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲) و سنن ابی داود

(۲۹۸۶) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۶/۱۵۳، ۳۴۱، ۳۴۲) ومسند ابی یعلیٰ (۵۴۷)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔
دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۱/۱۴۲ ح ۱۲۰۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ثابت اور مشہور ہے۔ اس سلسلے میں چند اہم معلومات درج ذیل ہیں:

① یہ واقعہ غزوۂ احد (۳ھ) سے پہلے اور غزوۂ بدر (۲ھ) کے بعد کا ہے۔

② شراب (خمر) کی حرمت کا حکم ۶ھ یا ۷ھ میں نازل ہوا۔ اس سے پہلے شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔

③ اس حدیث میں ذکر کردہ دور میں گانے والی لونڈیوں کا گانا حرام نہیں ہوا تھا۔ یاد رہے کہ اس روایت میں موسیقی کے آلات کا ذکر نہیں بلکہ صرف لونڈی کا (آواز سے) گانا مذکور ہے۔ گانے بجانے کی حرمت دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ (مثلاً دیکھئے صحیح بخاری: ۵۵۹۰) لہٰذا اس روایت سے گانے بجانے کے جواز پر استدلال کرنا منسوخ ہے۔

④ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زنا کا صدور بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۶۸۲۰ وصحیح مسلم: ۱۶۹۱)

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخشے ہوئے اور جنتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اطلع الله علٰى أهل بدر فقال: اعملوا ماشئتم ، فقد غفرت لكم))

بدری صحابیوں کے سامنے اللہ ظاہر ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

(مسند احمد ۲/۲۹۵ ح ۷۹۴۰ وسندہ حسن)

سیدنا امیر حمزہ البدری رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نشے کی وجہ سے تھا، انھیں اللہ نے بخش دیا اور جنت الفردوس میں داخل کر دیا ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ ''صحابہ کا یہ کردار خلافِ قرآن سمجھا جائے گا'' مردود ہے کیونکہ یہ واقعہ حرمتِ خمر سے پہلے کا ہے۔

منکر حدیث: ''(۱۲) کیا وحی خیالِ مشکوک کا نام ہے۔''

(جلد دوم صفحہ ۲۶۳ روایت نمبر ۵۷۳)

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدمؑ۔ وہ عرض کریں گے میں حاضر ہوں اور باریابی میں ہوں اور ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں جانے والا لشکر نکالو وہ عرض کریں گے دوزخ کا کتنا لشکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی ہزار نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا پس وہ ایسا وقت ہوگا کہ خوف کے مارے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تم کو لوگ نشہ کی سی حالت میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے جنت میں جانیوالا فی ہزار ایک کون ہوگا آپؐ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ کیونکہ تم میں ایک آدمی ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار۔ پھر آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم جنت کا چوتھائی حصہ ہوگے تو ہم لوگوں نے تکبیر پڑھی پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے ہم نے پھر تکبیر کہی تو آپؐ نے فرمایا تم اہل جنت کا نصف ہوگے یعنی تم نصف اور نصف دوسرے لوگ ہوں گے ہم نے پھر اللہ اکبر کہا آپؐ نے فرمایا تم تو اور لوگوں کے مقابلے میں ایسے ہو جیسے سیاہ بال سفید بیل کے جسم پر یا سفید بال سیاہ بیل کے جسم پر۔ (روایت ختم)

تبصرہ: خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں کیا وحی ایسے ہی الفاظ میں نازل ہوتی ہے یعنی مجھے امید ہے یا یہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ بھی حتمی طور پر ایک بات نہیں بتلاتا۔ کیا وحی خیال مشکوک کا نام ہوتا ہے۔

نوٹ: بخاری میں دوسرے مقام پر یعنی کتاب التفسیر میں بھی اسی مضمون کی روایت ہے بذیل تفسیر آیت وتری الناس سکریٰ روایت نمبر ۱۸۵۲ ۲/۸۵۵ جلد دوم"

(۱۲) الجواب: یہ حدیث صحیح بخاری میں تین مقامات پر موجود ہے۔ (۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم (الصحیح: ۲۲۲) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۳۳۹ والتفسیر: ۳۵۹) ابوعوانہ (المسند ۱/ ۸۸۔ ۹۰) عبد بن حمید (المنتخب: ۹۱۷) ابن جریر الطبری (التفسیر ۱۷/ ۸۷، تہذیب الآثار ۲/ ۵۲) البیہقی (شعب الایمان: ۳۶۱) ابن مندہ (الایمان: ۸۸۱)

امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۳/ ۳۲) وکیع (نسخہ وکیع عن الاعمش ص ۸۵، ۸۶ ح ۲۷)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۵۲۸، ۶۶۴۲) وصحیح مسلم (۲۲۱)

لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح اور قطعی الثبوت ہے۔ اس میں ''خیال مشکوک'' والی کوئی بات نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے درجہ بدرجہ اپنے صحابہ کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے پہلے ایک چوتھائی پھر ایک ثلث اور آخر میں نصف کا ذکر فرمایا۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نصف میں ایک ثلث اور ایک چوتھائی دونوں شامل ہوتے ہیں لہٰذا منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ مردود ہے۔ منکرین حدیث کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۴۷ کی وہ کیا تشریح کرتے ہیں؟ (نیز دیکھئے ص ۲۸، ۲۹)

دوسرے یہ کہ حدیث مذکور کس قرآنی آیت کے خلاف ہے؟

منکر حدیث: ''(۱۳) کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟

(جلد اول صفحہ ۱۳۸، روایت نمبر ۲۲۴۳)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو گالی دی ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا مسلم نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو ساری دنیا پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو ساری دنیا پر فضیلت دی۔ مسلمان نے یہ سن کر یہودی کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ یہودی نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور جو کچھ مسلمان اور اس کے درمیان گذرا تھا بیان کر دیا۔ نبی ﷺ نے مسلمان کو بلایا اور اس کے متعلق پوچھا اس نے سارا حال بیان کیا نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بیہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: میں نہیں جانتا اور باقی خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔ سب لوگوں کی بے ہوشی پر اطلاع دے دی اور اگلی اطلاع بذریعہ وحی نہ مل سکی ''میں نہیں جانتا'' اور دوسرے لفظ ''یا'' پر غور فرمائیں۔ کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟ وما علینا الا البلغ المبین ''

(۱۳) الجواب: یہ حدیث صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے۔ (۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۴۸۱۳، ۳۴۱۴، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۷۲)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم بن الحجاج (صحیح مسلم: ۲۳۷۳) طحاوی (مشکل الآثار، طبعہ قدیمہ ۱/۴۴۵، معانی الآثار

۳۱۶/۴) ابو یعلیٰ (المسند : ۶۶۴۳) النسائی (السنن الکبریٰ : ۷۷۵۸، ۱۱۴۵۷) ابو داود (السنن : ۴۶۷۱) ترمذی (السنن : ۳۲۴۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'') ابن ماجہ (السنن : ۴۲۷۴) البغوی (شرح السنۃ ۱۵/۱۰۶ ح ۴۳۰۲ وقال: ''ھذا حدیث متفق علیٰ صحتہ'') البیہقی (دلائل النبوۃ ۴۹۲/۵)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۲۶۴/۲، ۴۵۰)

یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل جلیل القدر ثقہ تابعین نے بیان کی ہے۔

① سعید بن المسیب ② ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن
③ عبدالرحمٰن الاعرج ④ عامر الشعبی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۱۲ و صحیح مسلم: ۲۳۷۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ۵۲۶/۱۱ ح ۳۱۸۲۸)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے لہٰذا منکر حدیث کا اس سے ''کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟'' کشید کرنا باطل ہے۔

رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''میں نہیں جانتا'' الخ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے مطابق ہے۔

﴿وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ﴾ [آپ کہہ دیں کہ.....] اور میں غیب نہیں جانتا۔ (سورۃ الانعام: ۵۰)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنۡ اَدۡرِيۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۹)

ترجمہ از شاہ ولی اللہ الدہلوی: ''ونمی دانم کہ نزدیک است یا دور است آنچہ وعدہ دادہ میشوید''

(ص ۳۹۹)

ترجمہ از شاہ عبدالقادر: ''اور میں نہیں جانتا، نزدیک ہے یا دور ہے، جو تم کو وعدہ ملتا ہے''

(ص ۳۹۹)

ترجمہ از احمد رضا خان بریلوی: ''میں کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا

جاتا ہے“ (ص ۵۳۱)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث، احادیث صحیحہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے بھی مخالف ہیں۔ان کے پاس نہ حدیث ہے اور نہ قرآن ہے،بس وہ اپنی خواہشات اور بعض نام نہاد ”مفکرین قرآن“ کے خود ساختہ نظریات و تحریفات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ مرنے سے پہلے پہلے رب کریم کی طرف سے مہلت ہے، جو شخص توبہ کرنا چاہے کر لے ورنہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں اور سرکشوں کے لئے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔اے اللہ! تو ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔اے اللہ! تو ہمیں کتاب وسنت پر ثابت قدم رکھ اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔ اے اللہ ! ہمارے سارے گناہ معاف فرمادے، آمین۔[انتھی]

(۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے اور ان کا جواب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

اگر پوچھا جائے کہ چور کی دشمنی سب سے زیادہ کس سے ہوتی ہے؟ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ چوکیدار سے! کیونکہ چوکیدار ہی وہ شخصیت ہے جسے ختم کئے یا ہٹائے بغیر چور چوری نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی طرح تمام اہلِ کفر، اہلِ باطل، اہلِ بدعت اور گمراہوں کا نشانہ علمائے حق بنتے ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، ہنود، آلِ قادیان، منکرین حدیث اور مبتدعین کی تنقید کا نشانہ صحابۂ کرام وسلف صالحین بنتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد نے ''اسلام کے مجرم'' نامی کتاب لکھ کر، صحیح بخاری وسلف صالحین پر مجرمانہ حملے کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب تو اسلام اور قرآن کے بڑے خیر خواہ ہیں۔!

اس مختصر وجامع مضمون میں ڈاکٹر شبیر صاحب اور ان کی نام نہاد ''مجلس شوریٰ'' کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

تنبیہ: اس کتاب کے صفحہ ۳ پر سعودی شیخ مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک جعلی خط شائع کیا گیا ہے، جس کا انسانی آنکھ سے پڑھنا ناممکن ہے جبکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ احادیث صحیحہ کو حجت سمجھتے تھے۔ آپ نے حجیتِ سنت پر ایک رسالہ

''وجوب العمل بسنة الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم وكفر من أنكرها''

[سنتِ رسول پر عمل کا وجوب اور اس کا انکار کرنے والے کا کفر] لکھا ہے اور اس میں منکرینِ حدیث کا دلائل سے بھرپور رد کیا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن حجت ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ج۱ص ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۴۵)

شیخ صاحب کے فتاویٰ میں صحیح بخاری وصحیح مسلم کے ہزاروں حوالے موجود ہیں۔ وہ ان سے

استدلال کرتے اور انھیں حجت وثابت سمجھتے تھے۔ایک جگہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأهم كتب الحديث وأصحها صحيح البخاري وصحيح مسلم فليكثر من مرا جعتهما والإستفادة منهما" کتب حدیث میں اہم ترین اور صحیح ترین صحیح البخاری وصحیح مسلم ہیں لہٰذا ان دونوں کتابوں کی کثرت سے مراجعت اور ان سے استفادہ کرنا چاہئے۔ (مجموع فتاویٰ ومقالات ابن باز ۲۳۰/۴ بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف جس "حدیث" کو منسوب کیا گیا ہے،اس کا متن درج ذیل ہے:

"إذا روي عني حديث فأعرضوه (على) كتاب الله فإن وافق فاقبلوه ولا تذروه" [اگر مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو پھر اگر وہ اس کے موافق ومطابق ہو تو اسے قبول کرلو اور نہ چھوڑ دو۔]

یہ روایت ان الفاظ یا مفہوم کے ساتھ حدیث کی کسی باسند کتاب میں سند کے ساتھ مروی نہیں ہے بلکہ محض بے اصل اور باطل روایت ہے۔شیخ محمد طاہر پٹنی ہندی (متوفی ۹۸۶ھ) نے اسے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں ذکر کر کے مشہور محدث خطابی سے نقل کیا کہ "وضعته الزنادقة .." اسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔(ص ۲۸)

زندیقوں اور کافروں کی گھڑی ہوئی اس روایت کو ایک عام طالب علم بھی بطورِ استدلال پیش نہیں کر سکتا تو شیخ ابن باز رحمہ اللہ کس طرح پیش کر سکتے تھے؟ دوسرے یہ کہ یہ بے اصل، باطل اور گھڑی ہوئی روایت بذاتِ خود قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج﴾ اور تمھیں رسول جو دے تو اسے لے لو۔ (الحشر:۷)

اس قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کا ہر حکم واجب التسلیم ہے لہٰذا رسول کی صحیح و ثابت حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب اینڈ پارٹی نے چونکہ صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے کئے ہیں لہٰذا ان کا اعتراض مجرم کے لفظ سے لکھ کر اس کا جواب لکھا گیا ہے۔

مجرم (۱): ”فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی زیادہ بیویاں ہوں۔
(امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ ۵۲)“ (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ روایت صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں ہے۔
صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: مجھ سے ابن عباس نے کہا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انھوں نے فرمایا: پس شادی کر لو کیونکہ اس اُمت کا بہتر وہ ہے جس کی بیویاں سب سے زیادہ ہیں۔ (کتاب النکاح باب کثرۃ النساء ح ۵۰۶۹)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بنا دینا ڈاکٹر شبیر احمد جیسے کذابین کا ہی کام ہے۔ یاد رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے سب سے بہترین انسان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی (ایک وقت میں) سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔ دیکھئے فتح الباری (۹/۱۱۴) لہٰذا شادی نہ کرنے کے مقابلے میں شادی کرنا افضل ہے۔

مجرم (۲): ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں کے پاس ہر رات میں دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ تعداد میں ۹ تھیں۔ (امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ ۵۲)“ (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: صحیح بخاری میں ”**في ليلة واحدة** “ایک رات میں“ (ح ۵۰۶۸) لکھا ہوا ہے نا کہ ”**في كل ليلة**“ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ”ہر رات“ کا لفظ لکھ کر صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

شوہر کا اپنی بیوی کے پاس جانا یا اپنی بیوی سے جماع کرنا کوئی جرم نہیں ہے لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی باطل ہے۔ نام نہاد ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں نبی ﷺ کے بارے میں ”جنسی مشین نہ تھے“ کے الفاظ لکھ کر آپ کی توہین کی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ اور کفار آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا غلط طریقے سے ذکر کر کے آپ ﷺ کی توہین کرتے ہیں۔
نبی ﷺ کے بارے میں اپنی زبان اور قلم کو ہر وقت لگام دینی چاہئے ورنہ عین ممکن ہے کہ نہ صرف سارے اعمال ضائع ہو جائیں بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جائے اور خبر بھی نہ ہو۔
رسول اللہ ﷺ کا ایک رات میں اپنی ساری (۹) بیویوں کے پاس تشریف لے جانا

امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (المسند ۳/ ۹۹، ۱۶۱، ۱۸۵، ۲۲۵) امام ابن ابی شیبہ (المصنف ۱/ ۱۴۷ ح ۱۵۶۱) امام عبدالرزاق (المصنف ۱/ ۲۷۵ ح ۱۰۶۱) وغیرہم نے مختلف سندوں کے ساتھ بیان کر رکھا ہے۔

مسند احمد (۳/ ۱۶۰ ح ۱۲۶۳۲) ومسند عبد بن حمید (۱۲۶۳، ۱۳۲۵) اور مسند الدارمی (۷۵۳) کی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک دن (ورات) کا واقعہ ہے۔ ایک دن رات کے واقعے کو ڈاکٹر صاحب ''ہررات'' کا لفظ لکھ کر مسخرہ بازی کر رہے ہیں۔

مجرم (۳): ''انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیویوں کے پاس ایک گھنٹے کے اندر دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ (کتاب الغسل میں امام بخاری کے نام سے اس حدیث کا عنوان لکھا گیا ہے۔ ''ایک ہی غسل سے جماع کے بعد جماع تمام بیویوں سے کرنا'') (صفحہ ۱۸۹ صحیح بخاری جلد دومؒ)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: یہ روایت ''الساعة الواحدة'' کے الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری (۲۶۸) میں موجود ہے۔ صحیح بخاری سے پہلے یہ حدیث مسند احمد (۳/ ۲۹۱) وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہاں الساعۃ الواحدہ سے زمانے کا ایک حصہ مراد ہے نہ کہ ماہرین فلکیات کی اصطلاحات (دیکھئے ارشاد الساری ۱/ ۳۲۵ وفتح الباری ۱/ ۳۷۷) لغت میں وقت اور زمانے کے ایک حصے کو بھی الساعۃ کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۸۲۳) لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا ''ایک گھنٹے کے اندر'' والا ترجمہ غلط ہے۔ یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مروجہ گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں لہٰذا ایک گھنٹے کا ذکر کہاں سے آگیا ؟

اگر مروجہ ایک گھنٹہ ہی مراد ہوتا تو بھی اعتراض کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی یا اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۷) نیز دیکھئے جواب سابق: ۲

مجرم (۴): ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ایسی وادی میں اتریں جہاں بہت سے درخت ہوں لیکن اُن کے پتے چرالئے گئے ہوں اور ایک درخت آپؐ ایسا بھی پائیں جس کے پتے چرائے نہ گئے

ہوں، تو آپ اپنے اونٹ کو کس درخت سے چرائیں گے؟ فرمایا: ''اُس درخت سے جس کے پتے چرائیں نہ گئے ہوں'' امام بخاری کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف وہ ہی کنواری تھیں۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۵۵)'' (اسلام کے مجرم ص۲۲، ۲۳)

الجواب: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کنواری لڑکی سے شادی کرنا افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر کنواری سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری (۵۰۷۷) والی یہ روایت صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۳۱۶/ ۴۳۳۱) میں بھی موجود ہے اور امام بخاری کے علاوہ محمد بن ایوب سے بھی مروی ہے کہ انھوں یہ حدیث ابن ابی اویس سے بیان کی ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۸۱/۷)

یاد رہے کہ نبی ﷺ پر پورا درود لکھنا چاہئے صرف ''ص'' لکھنا جائز نہیں۔ دیکھئے کتب اصول الحدیث اور مقدمہ ابن الصلاح ۲۰۹، دوسرا نسخہ ص ۲۹۹

مجرم (۵): ''عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ حیض میں مجھ سے اختلاط فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الحیض۔ صفحہ ۹۷)''

(اسلام کے مجرم ص۲۶)

الجواب: صحیح بخاری میں ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس میں یہ آیا ہو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے'' لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری پر جھوٹ بول کر جھوٹ کا عالمی ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔

صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ'' **كنت أغتسل أنا والنبي ﷺ من إناء واحد كلا نا جنب وكان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض**''

میں اور نبی ﷺ حالتِ جنابت میں ایک برتن سے (پانی لے کر) غسل کرتے تھے اور میں جب حالتِ حیض میں ہوتی تو آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم دیتے پھر میرے ساتھ مباشرت فرماتے یعنی میرے ساتھ (میری حالتِ حیض میں) لیٹ جاتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الحیض باب مباشرۃ الحائض ح ۲۹۹، ۳۰۰)

اس برتن سے دونوں ایک ہی وقت میں اپنے ہاتھوں سے پانی لیتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۱، ۲۷۳)

ایک روایت میں ہے: "من إناء بیني و بینه واحد" میرے اور آپ کے درمیان میں ایک برتن ہوتا تھا۔ ملخصاً (صحیح مسلم: ۳۲۱/۷۳۲)

اندھیری رات میں روشنی کے بغیر، میاں بیوی کا ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے نہانا کس دلیل کے خلاف ہے؟ اللہ کا شکر ادا کریں کہ امہات المومنین نے نبی ﷺ کے غسل کا طریقہ یاد کر کے اُمت کے سامنے بیان کر دیا ہے تاکہ دین اسلام ہر طرح سے مکمل رہے۔ والحمدللہ

حالتِ حیض میں جماع کرنا جائز نہیں ہے لیکن جماع کے بغیر میاں بیوی کا باہم لیٹ جانا منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اصنعوا کلّ شيء إلا الجماع .)) جماع کے علاوہ سب چیزیں کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۶۴۴ وسندہ صحیح صحیح مسلم: ۳۰۲/۶۹۴ نحو المعنٰی)

یعنی حائضہ بیوی سے دخول والا جماع ممنوع ہے اور باقی سب باتیں مثلاً پیار کرنا، لیٹنا، ساتھ سلانا اور اکٹھے کھانا پینا جائز ہے اور اس حدیث میں اسی کو اختلاط و مباشرت کہا گیا ہے لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟

ایک برتن سے (پانی لے کر) نہانے والی حدیث صحیح بخاری سے پہلے کتاب الام للشافعی (۸/۱) اور مسند احمد (۳۷/۶) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ والحمدللہ

مجرم (۲): "رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کو سرزنش کی، تم نے شوہر دیدہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیوں کیا؟ کنواری نوعمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا کہ تم اُس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

(بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۵۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیواؤں اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔"

(اسلام کے مجرم ص ۲۶)

الجواب: یہ حدیث سرزنش کے لفظ کے بغیر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (دیکھئے ح ۵۰۸۰)

سرزنش کا مطلب ہے: ''ملامت۔ جھڑکی۔ گھڑکی'' (لغات سعیدی ص ۴۱۰)
لغت کی ایک دوسری کتاب میں لکھا ہوا ہے: '' سرزنش کرنا۔ التأنیب، التوبیخ '' (المعجم اردو عربی ص ۴۲۴) حدیث میں تأنیب و توبیخ اور ان کی مشتقات والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے ''سرزنش'' کا لفظ گھڑ کر حدیث میں اضافہ کر دیا ہے۔
نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: (میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور) میری کئی بہنیں ہیں۔ (دیکھئے صحیح البخاری کتاب البیوع باب شراء الدواب والحمیر ح ۲۰۹۷) یہ جواب سن کر پھر نبی ﷺ نے اس سلسلے میں دوسرا کوئی سوال نہیں کیا (بلکہ تصدیق فرمائی جیسا کہ آگے آ رہا ہے) مگر حدیث کا مذاق اڑانے والے ڈاکٹر کو اصرار ہے کہ آپ نے سرزنش کی۔
منکرینِ حدیث کا یہ طریقہ ہے کہ حدیث کا غلط ترجمہ کر کے اور اس میں خود ساختہ الفاظ کا اضافہ کر کے یہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کے دل میں حدیث کی نفرت بیٹھ جائے۔ جب تحقیق کی جاتی ہے تو یہ تمام اعتراضات باطل ثابت ہوتے ہیں اور حدیث کی محبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ والحمدللہ
سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۳۰۸/۳) و مسند الحمیدی (۱۲۲۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) میں بھی موجود ہے بلکہ مسند الحمیدی و صحیح البخاری (۴۰۵۲) میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر فرمایا: ((أصبت .)) تم نے ٹھیک کیا ہے۔
مجرم (۷): ''میرے بعد لوگوں پر عورت سے بڑھ کر فتنہ کوئی نہیں۔ (حدیث بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۶۱)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۶، ۲۷)
الجواب: صحیح بخاری (۵۰۹۶) کی یہ حدیث: ((ما ترکت بعدي فتنة أضر علی الرجال من النساء .)) صحیح بخاری سے پہلے مسند الحمیدی (۵۴۷ بتحقیقی) و مسند احمد (۲۰۰/۵، ۲۱۰) اور مصنف عبدالرزاق (۳۰۵/۱۱ ح ۲۰۶۰۸) وغیرہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾

اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے (بعض) تمھارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے ڈرو۔ (التغابن:۱۴)

دنیا میں جتنا فتنہ وفساد ہے اس کی اصل زَن (عورت) زر (سونا، دولت) اور زمین ہے۔ اردگرد کا ماحول دیکھیں، اللہ کے سواجن کی پوجا کی جارہی ہے وہاں کا نظارہ کریں تو اکثریت عورتوں کی ہی پائیں گے۔

معلوم ہوا کہ درج بالا حدیث بالکل صحیح ہے اور قرآن کے خلاف نہیں لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟ یاد رہے کہ عورتوں کی اکثریت کا فتنہ میں مبتلا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ تمام عورتیں فتنہ پرور ہیں۔ عورتوں میں کئی عورتیں بہت نیک، دیندار بلکہ کئی عورتیں عام مردوں سے علم، نیکی اور تقویٰ وغیرہ میں زیادہ ہوتی ہیں۔

مجرم (۸): ''خولہ بنت حکیم نے خود کو نبی کے لئے تحفتاً پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''عورت کو ایسا کہتے شرم نہیں آتی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپؐ کا رب آپؐ کی خواہشات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۶۷)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۷)

الجواب: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خاص حکم تھا کہ اگر کوئی مومنہ عورت بغیر حق مہر اور بغیر شروطِ نکاح کے اپنی جان آپ کو پیش کرتی تو آپ کے لئے اسے نکاح میں لانا جائز تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ اور کوئی مومنہ عورت اگر اپنی جان نبی کے لئے ہبہ کرے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے، یہ مومنین کو چھوڑ کر آپؐ کے لئے خاص ہے۔ (الاحزاب:۵۰)

صحیح بخاری (۵۱۱۳) میں ''ھواك'' کا مطلب ''رضاك'' ہے۔ (فتح الباری ۱۶۵/۹)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی رضا میں جلدی فرماتا ہے۔ یہ اللہ اور رسول کا معاملہ ہے۔ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے حبیب پر جتنے فضل و کرم اور رحمتوں کی بارش فرمائے، اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ نبی ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور محبوب سے گفتگو کرے تو اس کا مذاق اُڑانا انھی لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہرات سے محبت نہیں ورنہ وہ اس کی کبھی جرأت نہ کرتے۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۱۵۸/۶) میں بھی موجود ہے۔

مجرم (۹): ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی صفیہؓ سے کہا: ''او سر مُنڈی ہلاک ہوئی'' (بخاری کتاب الطلاق۔ صفحہ ۱۴۳) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

الجواب: صحیح بخاری (۵۳۲۹) کی یہ حدیث مسند احمد (۱۲۲/۶) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ ''عقریٰ حلقیٰ و تربت یمینك'' وغیرہ الفاظ اہلِ عرب عادۃً بغیر کسی قصد کے استعمال کرتے تھے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۷۲)

اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**اللھم ! فأیما مؤمن سببته فاجعل ذلك له قربة إلیك یوم القیامة**)) اے میرے اللہ! میں نے جس مومن کے بارے میں سخت الفاظ کہے ہیں، تُو انھیں قیامت کے دن اُس کے لئے وسیلۂ قربت بنادے۔
(صحیح بخاری: ۶۳۶۱)

جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے واپس رُکنا پڑے گا تو اس وقت آپ نے یہ الفاظ بیان فرمائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے قربت بنادیا ہے لہٰذا اعتراض کیسا؟

مجرم (۱۰): ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ نے اُن سے نکاح کیا تو ان کی عمر ۶ سال تھی۔ جب ان سے خلوت کی گئی تو عمر ۹ سال تھی (صحیح بخاری کتاب النکاح، صفحہ ۷۵)

قرآن کے مطابق ذہنی اور جسمانی بلوغت نکاح کے لئے لازم ہے۔۔ '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

مجرمانہ حملے کرنے والوں کی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "مثال کے طور پر امام بخاری نے لکھ دیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی کریمؐ سے ٦ (چھ) برس کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی ۹ برس کی عمر میں عمل میں آئی تھی یہ لوگ اتنا بڑا بہتان اُس ذاتِ اقدس کی شان میں برداشت کرلیں گے لیکن بخاری پر اُنگلی نہیں اُٹھائیں گے۔" (اسلام کے مجرم ص ۸)

الجواب: قرآنِ مجید میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ نکاح کے لئے ذہنی اور جسمانی بلوغت لازم ہے بلکہ آیت ﴿وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ﴾ اور جنھیں حیض نہ آیا ہو۔ (الطلاق:۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بچی سے نکاح وطلاق کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ جنھیں حیض نہ آیا ہو، سے مراد چھوٹی بچیاں ہیں، دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری السُّنّی (۹۲/۲۸)

چھ یا سات سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی بات تواتر کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اسے عروہ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶ وصحیح مسلم: ۱۴۲۲) اسود بن یزید (صحیح مسلم) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (سنن النسائی ۶/ ۱۳۱ ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن) اور عبداللہ بن صفوان رحمہم اللہ (المستدرک للحاکم ۴/ ۱۰ ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

1: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد ۶/ ۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

2: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

3: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/ ۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

4: عروۃ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸/ ۶۰ وسندہ صحیح)

5: زہری (طبقات ابن سعد ۸/ ۶۱ وھو حسن)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۳/ ۱۲۹)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل ومردود ہے۔ امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (۶/ ۱۱۸،

۲۸۰) امام حمیدی (المسند: ۲۳۳ بتحقیقی وسندہ صحیح) اور امام شافعی (کتاب الام ۵/۱۶۷) وغیرہم نے اس حدیث کو بیان کر رکھا ہے لہٰذا اسے ''بڑا بہتان'' قرار دینا اصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ ہے۔

تنبیہ: اس بات کا ثبوت اخباروں میں مع تصویر موجود ہے کہ نو (۹) سال کی بچی کے ہاں اولاد ہوئی ہے۔ مثلاً دیکھئے روزنامہ جنگ ۱۶/اپریل ۱۹۸۶ء ص ۵، ۱۴/جون ۱۹۹۳ء ص ۲

مجرم (۱۱): ''صحیح بخاری کتاب النکاح صفحہ ۸۲ اور کتاب البیوع صفحہ ۸۷۷ پر لکھا ہے کہ خیبر کا قلعہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہودی عورت) صفیہ کا حسن و جمال بیان کیا گیا۔ اس کا شوہر مارا گیا تھا اور وہ نئی دلہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے لئے منتخب کرلیا۔ پھر آپؐ نے خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان ٹھہر کر صفیہ سے خلوت وصحبت کی (خلاصہ حدیث) نہ صرف ان دونوں احادیث میں نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے بلکہ یہ تک کہا گیا ہے کہ صحابہ کو معلوم ہی خلوت کے بعد ہوا کہ صفیہؓ ام المومنین بن گئی ہیں۔'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صفیہ بنت حُیَي بن اَخطب کا خاوند کنانہ بن ابی الحقیق (یہودی) غزوۂ خیبر میں مارا گیا تھا اور وہ مالِ غنیمت میں شامل ہو کر دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں لونڈی بن کر آئیں۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تو آپ نے سات غلام دے کر صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا پھر انھیں آزاد کر کے نکاح کر لیا اور یہی آزاد کرنا اُن کا حق مہر بنایا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۷۱) وصحیح مسلم (۱۳۶۵ بعد ح ۱۴۲۷)

صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: ''وتزوّجھا'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (صفیہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کر لیا۔ (کتاب الصلوۃ باب ما یذکر فی الفخذ ح ۳۷۱) جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ''نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے''

ایک روایت میں ذِکر نہ ہو اور دوسری روایت میں ذِکر ہو تو اس ذِکر کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔ یہ اصول مسلّم ہے کہ جس طرح قرآن قرآن کی تشریح کرتا ہے، اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تشریح کرتی ہے لہٰذا تمام صحیح وثابت روایات کو جمع کر کے ان کا مفہوم سلف صالحین

کے فہم کی روشنی میں سمجھنا چاہئے ورنہ گمراہی کی گہری کھائیوں میں جا گریں گے۔

رحمۃ للعالمین نے فتح خیبر کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے رشتۂ ازدواج میں لاکر ہمیشہ کے لئے ام المومنین بنادیا مگر منکرین حدیث اس پر اعتراض کررہے ہیں۔ یاد رہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں کھجور، پنیر اور گھی سے لوگوں کی ضیافت کی گئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۸۷/۱۳۶۵ وترقیم دارالسلام: ۳۵)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح والی حدیثیں صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۱۲۳/۳) ومصنف ابن ابی شیبہ (۴۶۱/۱۴۔۴۶۲) وغیرہما میں بھی موجود ہیں۔ والحمدللہ

مجرم (۱۲): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی مانند ٹیڑھی ہے۔ اگر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو ٹوٹ جائے گی۔ اُسے ٹیڑھی رہنے دو اور فائدہ اُٹھاتے چلے جاؤ۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۹۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صحیح بخاری (۵۱۸۴) کی یہ حدیث مسند احمد (۴۴۹/۲، ۴۹۷، ۵۳۰) اور مسند الحمیدی (۱۱۷۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے عبدالرحمٰن الاعرج، عجلان، ابوحازم اور سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے۔

عورت کا پسلی سے پیدا کیا جانا قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج پیدا کیا۔ (النسآء: ۱) نیز دیکھئے سورۃ الاعراف (۱۸۹) اور سورۃ الزمر (۶)

نفسِ واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام اور زوج سے مراد حواء علیہا السلام ہیں۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر (۱۵۰/۴) وتفسیر ابن کثیر (۱۸۵/۲) وغیرہما۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کے بارے میں فرمایا: میں نے اسے شروع سے آخر تک دیکھا ہے اور میں روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑا عالم کوئی نہیں جانتا اور حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۵/۱۴۷ وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کو لوگوں کے پاس موجود تمام تفاسیر سے صحیح ترین قرار دیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۸۵/۱۳)

مجرم (۱۳): ''سلیمانؑ نے صرف ایک رات میں سو بیویوں کے ساتھ مباشرت کی (بخاری، کتاب النکاح۔ صفحہ ۱۱۰) ملاحظہ فرمایئے ایک رات، چند گھنٹے اور اللہ کا ایک عالی مقام پیغمبر!''

(اسلام کے مجرم ص ۳۴)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۴۲) سے پہلے یہ حدیث مسند امام احمد (۲۲۹/۲) اور مسند امام حمیدی (۱۱۷۴ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے اور عالی مقام پیغمبر علیہ السلام کا اپنی بیویوں سے مباشرت کرنا کوئی جرم نہیں ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔!

اگر کوئی کہے کہ یہ محیر العقول بات ہے تو عرض ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوا صبح کے وقت ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی اور شام کے وقت بھی ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی۔ دیکھئے سورۃ سبا (۱۲)

ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ ملکۂ سبا کے تخت کو (دور یمن سے) پلک جھپکنے میں لے آیا تھا۔ (النمل: ۴۰)

جس طرح یہ تمام واقعات اللہ کے اذن وقدرت سے ظہور پذیر ہوئے، اسی طرح یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا۔ قرآنِ مجید کی کسی آیت سے بھی اس حدیث کا غلط ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص ۱۵، ۱۶

مجرم (۱۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنت جحش کے پاس شہد پیا۔ دیگر امہات المومنین نے منصوبہ بنایا کہ جس بیوی کے پاس جائیں گے وہ یہی کہے گی کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بدبو آ رہی ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق۔ صفحہ ۱۲۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۵)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۶۸) کی اس حدیث میں صراحت ہے کہ یہ منصوبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنایا تھا۔ اس واقعے کا مختصر ذکر قرآنِ مجید (سورۃ التحریم: ۱۔۵) میں موجود ہے۔

صحیح بخاری والی حدیث مسند احمد (۵۹/۶) اور مسند عبد بن حمید (۱۴۸۹) وغیرہما میں بھی مذکور

ہے لہٰذا اس ثابت شدہ واقعے اور حقیقت کا انکار کر دینا دراصل قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

مجرم (۱۵): ''عائشہؓ بولیں ''ہائے سر پھٹا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش میری زندگی میں ایسا ہو جاتا۔ عائشہؓ بولیں آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگلی رات دوسری بیوی کے پاس گزاریں۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۴۷) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۶)

الجواب: صحیح بخاری (کتاب المرضیٰ ح ۵۶۶۶، کتاب الاحکام ح ۷۲۱۷) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میرا سر! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اگر میری زندگی میں ہوا تو میں تیرے لئے استغفار و دعا کروں گا۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میری مصیبت! اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ اس دن کا آخری حصہ اپنی کسی بیوی کے پاس گزاریں گے۔ تو نبی ﷺ نے (اس کی تردید میں) فرمایا: بلکہ ہائے میرا سر! میرا ارادہ ہے کہ میں ابو بکر اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کو باتیں کرنے والوں کی باتوں اور تمنا کرنے والوں کی تمنا سے پہلے بلاؤں، عہد کروں اور کہہ دوں: اللہ اور اہلِ ایمان اسے (خلافت کو) نہیں مانیں گے (مگر صرف ابو بکر کے لئے) نیز دیکھئے صحیح مسلم (۲۳۸۷ و ترقیم دارالسلام: ۶۱۷۱)

صحیح بخاری والی یہ روایت مسند احمد (۱۴۴/۶) وطبقات ابن سعد (۱۸۰/۳) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی اعتراض نہیں کیا لہٰذا ان کا خیال و گمان منسوخ ہوا۔ دوسرے یہ کہ میاں بیوی کی باہم پیار و محبت والی باتوں پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟

مجرم (۱۶): ''مدینہ آنے والے کچھ لوگ بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اونٹوں کے چرواہے کے پاس چلے جائیں اور اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہیں۔ وہ لوگ تندرست ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے آدمی انھیں پکڑ لائے۔ ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں نکلوا دی گئیں پھر ان کو تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ وہ پیاس کی شدت سے پانی

مانگتے تھے اپنی زبان سے زمین چاٹتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

(بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۴)

صاحبو! کیا رحمت للعالمین ﷺ ایسی ایذاء رسانی فرما سکتے تھے! کیا اونٹنی کا پیشاب لوگوں کو پلا سکتے تھے؟

کیا یہ دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے؟" (اسلام کے مجرم ص ۳۶، ۳۷)

الجواب: یہ لوگ جنھیں اس طرح قتل کیا گیا قاتل اور چور تھے، کافر اور دشمنانِ اسلام تھے، انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا اور اللہ و رسول سے جنگ کی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۳) انھوں نے صحابۂ کرام کو شہید کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی تھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۶۷۱ و ترقیم دار السلام: ۴۳۶۰)

معلوم ہوا کہ انھیں قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمھیں دی گئی تھی۔ دیکھئے سورۃ النحل: ۱۲۶

مرتدین و مفسدین کے قتل والی اس حدیث کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے روایت کیا ہے:

۱: ابو قلابہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/ ۱۶۱، ۱۸۶، ۱۹۸)

۲: قتادہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/ ۱۶۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۲۸۷، ۲۹۰)

۳: ثابت البنانی (صحیح بخاری: ۵۶۸۵)

۴: عبدالعزیز بن صہیب (صحیح مسلم: ۱۶۷۱، دار السلام: ۴۳۵۳)

۵: حمید الطویل (صحیح مسلم: ۴۳۵۳ و مسند احمد ۳/ ۱۰۷، ۲۰۵)

۶: معاویہ بن قرہ (صحیح مسلم: ۱۶۷۱/ ۱۳۵۸)

۷: یحییٰ بن سعید (سنن النسائی ۱/ ۱۶۰ ح ۳۰۷ و أعله بعلة غیر قادحة، ۷/ ۹۸ ح ۴۰۴۰)

۸: سلیمان التیمی (صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن الترمذی: ۷۳ وقال: غریب)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔

سعید بن جبیر تابعی نے بھی اس مفہوم کی روایت بیان کی۔ (تفسیر ابن جریر ۶/۱۳۳، ۱۳۴ وسندہ صحیح)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ، حدود کے نزول سے پہلے کی ہے اور منسوخ ہے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۶۹، ۷۰)

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مظلوم صحابہ کی دردناک شہادت کا انتقام لے لیا تو اس میں ایذا رسانی کی کیا بات ہے؟ رہا بیمار کے لئے اونٹ کے دودھ اور پیشاب کا مسئلہ تو اس کا تعلق طب سے ہے۔ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری کی مشہور کتاب خزائن الادویہ میں اونٹ کے باب میں لکھا ہوا ہے کہ "پیشاب اسکا استسقاء کے لئے نہایت موثر ہے۔" (ج ۲ ص ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ یہ مشہور صحیح حدیث دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے بلکہ سازشی تو وہ لوگ ہیں جو دن رات عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے ہٹا کر اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

مجرم (۱۷): "ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوت یعنی متعدی بیماری کوئی نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۹)" (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: بذاتِ خود چھوت یعنی متعدی بیماری کسی کو نہیں لگتی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کوئی بیماری کسی کو لگا دے تو وہ لگ جاتی ہے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اگر کسی شخص کو کوئی بیماری لگی ہوئی ہو، پھر اس شخص ۔ ..چا جائے اور احتیاط کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بیماری بذاتِ خود ضرور بالضرور دوسرے کو لگ جاتی ہے بلکہ اس احتیاط دپرہیز کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ بیماری اللہ کے اذن سے کسی دوسرے کو لگ جائے تو عین ممکن ہے کہ اس شخص کا عقیدہ خراب ہو جائے اور وہ یہ سمجھنا شروع کر دے کہ متعدی بیماری ضرور بالضرور خود بخود دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ بیماری کسی دوسرے

کو بذاتِ خود ضرور بالضرور نہیں لگتی اور بیمار سے دور رہ کر احتیاط کرنا عقیدے اور ایمان کی حفاظت ہے اور بالکل صحیح عقیدہ ہے۔

یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ بعض بیماریوں کو متعدی سمجھا جاتا ہے، پھر یہ بیماریاں بعض لوگوں کو لگ جاتی ہیں لیکن اسی گھر میں اس بیمار کے کئی قریبی رشتہ دار اور دوست احباب اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

مجرم (۱۸): ''نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ بیوی میں، گھر میں اور گھوڑے میں۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۷۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عام جھگڑے فساد اور نحوست: عورتوں، جائیداد اور گھوڑوں یعنی فوج کے جھگڑوں کی وجہ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص ۲۵ (یہی کتاب ص ۴۴۔ ۴۶)

منسوخ حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوتا ہے۔

مجرم (۱۹): ''ابو ہریرہؓ نے کہا بیمار اونٹ کو تندرست اونٹوں کے پاس نہ لے جاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں کی کہ چھوت کی بیماری کوئی چیز نہیں تو ابو ہریرہؓ حبشی زبان میں نہ جانے کیا بکنے لگے۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۸۱)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری (۵۷۷۱) میں موجود ہے لیکن ''حبشی زبان میں نہ جانے کیا بکنے لگے۔'' کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ لکھا ہے کہ ''فرطن بالحبشية'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حبشی زبان میں کلام کیا۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۷۹، کتاب الطب باب لا ھامۃ ح ۵۷۷۱)

''بکنے لگے'' کے الفاظ لکھ کر ڈاکٹر مجرم صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی ہے۔

اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جو مجرم کے اعتراض نمبر ۱۷ کے جواب میں گزر چکا ہے کہ اس عقیدے کے ساتھ احتیاط اور پرہیز کرنا برحق ہے کہ متعدی بیماری بذاتِ خود چھوت کے ذریعے سے کسی کو نہیں لگتی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر، قدرت اور اذن سے یہ بیماری کسی دوسرے کو لگا دے۔

مجرم (۲۰): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غلام مجھ سے کون خرید تا ہے؟ حضرت نعیم نے اُسے ۸۰۰ درہم میں خرید لیا۔ (کتاب الاکراہ بخاری۔ صفحہ ۶۶۹) کیا نبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم غلام فروخت کرتے تھے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۰)

الجواب: ایک انصاری صحابی (جو قرضدار تھے) نے وصیت کی کہ ان کا زر خرید غلام ان کی وفات کے بعد آزاد ہے۔ اس انصاری کا اور کوئی مال نہیں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے (غلام کے مالک کی زندگی میں) اس قبطی غلام کو ۸۰۰ درہم کے بدلے میں نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ (صحیح بخاری: ۶۹۴۷)

یہ رقم آپ نے اس شخص کو (جو غلام کا مالک تھا) دے دی تھی کیونکہ وہ ضرورت مند تھا۔ آپ نے فرمایا: ''پہلے اپنے آپ سے شروع کرو...'' الخ (صحیح مسلم: ۹۹۷/۲۳۱۳)

ایک آدمی کی جان قرضے میں پھنسی ہوئی ہے اور وہ صدقے کرتا پھرے؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ رہا غلاموں کی خرید و فروخت تو عرض ہے کہ قرآن مجید میں کئی مواقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ النساء (۹۲) سورۃ المائدۃ (۸۹) اور سورۃ المجادلۃ (۳) معلوم ہوا کہ غلاموں کی خرید و فروخت جائز ہے ورنہ آدمی غلام آزاد کرنے کے لئے کہاں سے لائے گا؟

مجرم (۲۱): ''صحابہ کرامؓ کو ایک غزوہ میں لونڈیاں حاصل ہوئیں۔ چاہا کہ ان ساتھ صحبت کریں لیکن حمل نہ ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا (یعنی برتھ کنٹرول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ فرمایا حل تفعلون بالفرج؟ کیا تم... (بخاری کتاب التوحید)''

(اسلام کے مجرم ص ۴۰)

الجواب: صحیح بخاری (۷۴۰۹) میں سیدنا ابوسعید الخدری ﷺ سے روایت ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کے مالِ غنیمت میں لونڈیاں ملیں تو صحابہ نے چاہا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں حمل بھی نہ ٹھہرے۔ پس انھوں نے نبی ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اگر تم عزل کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اللہ نے جسے قیامت تک پیدا کرنا

ہے، اسے لکھ رکھا ہے یعنی وہ پیدا ہو کر رہے گا۔

اس حدیث پر اعتراض کی کیا بات ہے؟ اپنی لونڈی سے جماع کرنا بتصریحِ قرآن جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے المومنون: ۵، ۶

عزل کا مطلب ہے شرمگاہ سے باہر پانی نکالنا۔ منع اور جواز کے دلائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ کسی عذر کی بنا پر خاوند کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی سے عزل کرے۔

یاد رہے کہ حدیث میں کمائی کھانے کے بجائے فائدہ اٹھانے کے الفاظ ہیں۔ اگر شرعی لونڈیاں ہوں تو دینِ اسلام میں ان سے فائدہ اٹھانا مالکوں کے لئے جائز ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد اگلے صفحے پر ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے۔ جس میں فی کے بعد دبرھا کا لفظ موجود نہیں۔ اس قول کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

اول: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنی بیوی سے پچھلی طرف سے اگلی شرمگاہ، جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے میں جماع کرنا جائز ہے۔ صحیح بخاری (۴۵۲۸) میں اس اثر کے فوراً بعد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے۔ (دیکھئے ص ۳۹۔ ۴۱)

دوم: وہ بیوی کی دبر میں جماع جائز سمجھتے تھے، اگر یہ مفہوم مراد لیا جائے تو دو وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ منسوخ ہے کیونکہ دبرھا کا لفظ کاٹ دیا گیا ہے۔ نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (۱۵۸/۳ ح ۱۵۴۲)

۲: یہ قول ان صحیح مرفوع احادیث کے خلاف ہے جن میں اس فعل پر شدید رد اور وعید آئی ہے اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں صحابی وغیرہ کا قول رد ہو جاتا ہے۔

مجرم (۲۲): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے دوزخ دکھلائی گئی اور وہاں زیادہ تر عورتیں پائی گئیں۔ (بخاری کتاب الایمان۔ صفحہ ۱۰۲)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: صحیح بخاری (۲۹) والی یہ حدیث اس مفہوم کے ساتھ بخاری کے وجود سے پہلے

موطأ امام مالک (۱/۱۸۶، ۱۸۷ ح ۴۴۶) کتاب الام للشافعی (۱/۲۴۲) اور مسند احمد (۱/۲۹۸ ح ۲۷۱۱) وغیرہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام عورتیں کثرت سے جہنم میں جائیں گی، وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت شرک، کفر اور جہالت میں مبتلا ہے جس کا مشاہدہ کسی قبر یا غیر اللہ کی کسی عبادت گاہ پر کیا جا سکتا ہے لیکن اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساری عورتیں جہنم میں جائیں گی۔ ایماندار اور تقویٰ دار عورتیں اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں جائیں گی اور جہنم سے دور اور محفوظ رہیں گی جیسا کہ بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے۔ دیکھئے سنن الترمذی (۳۷۸۱) وقال: ''حسن غریب'' صحیح البخاری (۳۶۲۴) صحیح مسلم (۲۴۵۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱۹۴) اور صحیح ابن حبان (۲۲۲۹)

مجرم (۲۳): ''محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منہ میں کلی کی جب میں پانچ سال کا تھا۔ (بخاری، کتاب العلم۔ ص ۱۳۰) آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم انسانی مساوات کے پیغامبر تھے اور پاکیزگی پر عمل پیرا۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: صحیح ترجمہ ''میرے منہ میں کلی کی'' نہیں بلکہ میرے چہرے پر کلی کی۔ فی بمعنی علیٰ ہے جیسا کہ لغت اور تراجم حدیث سے ثابت ہے۔ نبی پاک ﷺ کا پیار اور تبرک کے لئے پانچ سال کے معصوم بچے کے چہرے پر پاک پانی کی کلی پیار سے پھینکنا بھی ان منکرینِ حدیث کے نزدیک جرم بن گیا ہے، حالانکہ سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ اس کلی کو یاد رکھتے ہوئے بطور فخر بیان کیا کرتے تھے۔

مجرم (۲۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ آپؐ کے دونوں گال سرخ ہو گئے اور آپ کا چہرہ لال ہو گیا۔ (بخاری کتاب العلم۔ صفحہ ۱۳۶)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۴)

الجواب: رسول اللہ ﷺ نور ہدایت ہونے کے ساتھ بشر بھی ہیں لہٰذا اگر کسی ناپسندیدہ بات کے سننے کے بعد آپ کو غصہ آ گیا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام غصے ہوئے، آپ نے

تورات کی تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

دیکھئے سورۃ الاعراف (۱۵۰) اس واقعے کے بارے میں منکرینِ حدیث کا کیا خیال ہے؟

مجرم (۲۵): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات فرمایا حجرے والیوں (یعنی امہات المومنین) کو جگادو بہت سی لباس والیاں ایسی ہیں کہ آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (بخاری کتاب العلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے بارے میں درشت نہ تھے۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ درشت نہ تھے لیکن اس حدیث میں درشت ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ صرف دو باتوں کا ذکر ہے۔

۱: میری بیویوں کو تہجد کی نماز کے لئے جگادو۔

۲: دنیا کی بہت سی عورتیں قیامت کے دن ننگی رہیں گی۔

پہلے جزء کا تعلق امہات المومنین سے ہے جبکہ دوسرے جزء کا ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دنیا کی عام عورتوں کے لئے عام خطاب ہے لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی باطل ہے۔

مجرم (۲۶): ''ام سلمہؓ نے فرمایا۔ اگر عورت کو احتلام نہ ہو تو بچہ اس کا ہم شکل کیوں ہوتا ہے؟ (کتاب العلم بخاری۔ صفحہ ۱۵۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: صحیح بخاری (۱۳۰) اور کتبِ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (شرم وحیا سے) اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! ورنہ بچہ اپنی ماں کے کیوں مشابہ ہوتا ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی (بعض اوقات) احتلام ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا قرآنِ مجید میں کہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ عورت کو احتلام نہیں ہوتا؟ یاد رہے کہ اس مرفوع حدیث کو نام نہاد ڈاکٹر صاحب نے اپنی جہالت کی وجہ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ!

مجرم (۲۷): ''حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے جریان تھا جس سے میری مذی نکلا کرتی تھی۔ (کتاب العلم۔ ص ۱۵۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ انسان تھے اور انسانوں کی ایک مشہور بیماری جریان ہے جو بعض مردوں کو لاحق ہوتی ہے۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر سے اس بیماری کی معلومات دریافت کی جا سکتی ہیں۔ منکرِ حدیث کو یہ چاہیے تھا کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت کرتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مذی کی بیماری نہیں تھی۔

مجرم (۲۸): ''عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کئے دو کچی اینٹوں پر رفع حاجت کے لئے بیٹھے ہیں۔ کیا صحابہؓ ایسی باتیں کہہ سکتے تھے؟ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۵۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: جی ہاں! یہ حدیث سچی ہے اور سچی حدیثیں اُمت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہی بتائی ہیں لہٰذا اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟

صحیح بخاری (۱۴۹) موطأ امام مالک (۱/۱۹۳، ۱۹۴ ح ۴۵۷) اختلاف الحدیث للشافعی (حاشیہ الام ۱/۲۳) اور مسند احمد (۲/۴۱) وغیرہ کی اس صحیح حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں مثلاً:

۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔

۲: قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف پیٹھ کرنا جائز ہے۔

۳: مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پڑوسی کو اعتراض وتکلیف نہ ہو۔

۴: بیٹھ کر پیشاب کرنا مسنون ہے۔

۵: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر لمحہ یاد کر کے بیان فرما دیا ہے۔

۶: گھروں میں لیٹرین (بیت الخلاء) بنانا جائز ہے۔

مجرم (۲۹): ''ابوموسیٰؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا اور پھر اس میں کلی کی پھر ابوموسیٰؓ اور بلالؓ سے کہا اس میں سے کچھ پی لو۔ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۶۸)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: منکرِ حدیث کو پاک نبی ﷺ کی پاک کلی والے پانی کے پی لینے پر اعتراض ہے حالانکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیارے اور پاک نبی ﷺ کے تھوک اور وضو کے پانی کو (محبت کے اظہار کے لئے) اپنے جسموں پر ملتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

اے کاش! ہمیں رسول اللہ ﷺ کا ایک بال ہی مل جاتا تو یہ ہمارے لئے سونے چاندی سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہوتا۔

مجرم (۳۰): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے گھوڑے پر آئے اور وہیں کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔ (کتاب الوضو بخاری۔ صفحہ ۱۷۷)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵)

الجواب: کوڑے کرکٹ کے جس ڈھیر (گھورے) کے پاس رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا وہاں کسی آدمی کا آپ ﷺ کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابو عوانہ کی تبویب (مسند ابی عوانہ ۱/۱۹۶، ۱۹۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دیوار تھی اور درخت تھے۔

فتح الباری (۱/۳۲۸) سے واضح ہے کہ وہاں پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا نیز دیکھئے السنن الکبری للبیہقی (۱/۱۰۰) لکھا ہوا ہے کہ آپ نے دیوار کے پیچھے پیشاب کیا تھا۔ صحیح بخاری (۲۲۴) وغیرہ کی اس حدیث سے حالتِ عذر میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جواز ثابت ہے۔ دیوبندی حلقے کے مشہور عالم محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے، البتہ عام معمول چونکہ نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا اس واسطے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔'' (انعام الباری دروس بخاری ج ۲ ص ۳۵۴)

سیدنا بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں غلط ہیں (۱) آدمی کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ۱/۲۶۶ ح ۵۴۷ وسندہ حسن) معلوم ہوا کہ بغیر شرعی عذر اور بغیر شرعی حدود کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا صحیح نہیں

بلکہ غلط ہے۔ ساری صحیح احادیث کو سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

مجرم (۳۱): ''ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں اور عائشہ کے بھائی عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے غسل کر کے دکھایا اور اپنے سر پر پانی بہایا ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ (کتاب الغسل، بخاری۔ ص ۱۸۵) مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا، زبانی بتا دیا ہوتا یا ابوسلمہؓ اپنی بیوی کو بھیج کر صحیح غسل کا پتہ چلا سکتا تھا بعد میں اُن سے خود سیکھتا۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۵، ۴۶)

الجواب: اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں راقم الحروف نے تفصیلی بحث و تحقیق ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲ میں شائع کی تھی۔ وہی سوال و جواب بعض اصلاح کے ساتھ پیش خدمت ہے:

سوال: صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو مردوں کے سامنے غسل کیا تھا۔ شیعہ اور منکرینِ حدیث یہ حدیث بیان کر کے صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں اس حدیث کا مفہوم سمجھائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔ (حافظ اسد علی، خیر بارہ، غازی ضلع ہری پور)

جواب: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **حدثنا عبدالله بن محمد قال: حدثني شعبة قال: حدثني أبوبكر بن حفص قال: سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عائشة على عائشة فسألها أخوها عن غسل النبي ﷺ؟ فدعت بإناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب** ''

(صحیح بخاری: کتاب الغسل باب الغسل بالصاع ونحوہ، ح ۲۵۱)

ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن) فرماتے ہیں کہ: میں اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا (رضاعی) بھائی (ہم دونوں) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گئے، آپ کے (رضاعی) بھائی نے نبی ﷺ کے (سر مبارک کے) غسل کے بارے میں پوچھا (کہ یہ کیسا تھا؟) تو انھوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے صاع (ڈھائی کلو) کے برابر (پانی کا) ایک برتن منگوایا پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر

پانی بہایا، ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

اس حدیث کو اس مفہوم کے ساتھ امام مسلم (۴۲/۳۲۰، دارالسلام: ۷۲۸) نسائی (الصغریٰ ۱/۱۲۷ ح ۲۲۸ والکبریٰ ۱/۱۱۶ ح ۲۳۲) احمد بن حنبل (المسند ۶/۷۱، ۷۲ ح ۲۴۹۳۴، ۶/۱۴۳ ح ۲۵۶۲۰) ابونعیم الاصبہانی (المستخرج علیٰ صحیح مسلم ۱/۳۷۰ ح ۷۲۰) ابوعوانہ (المسند المستخرج ۱/۲۹۵، ۲۹۶) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۱/۱۹۵) نے شعبہ (بن الحجاج) کی سند سے مختصراً ومطولاً بیان کیا ہے۔ اس روایت کے مفہوم میں درج ذیل باتیں اہم ہیں:

۱: صحابہ کرام کے دور میں اس بات پر شدید اختلاف ہوگیا تھا کہ غسل جنابت کرتے وقت عورت اپنے سر کے بال کھولے گی یا نہیں، اور یہ کہ غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول کر غسل کریں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "یا عجبًا لابن عمرو هذا يأمر النساء إذا اغتسلن أن ينقضن رؤوسهن ، أفلا يأمرهن أن يحلقن رؤوسهن "!؟ ابن عمرو پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ غسل کرتے وقت اپنے سر کے بال کھول دیں کیا وہ انہیں یہ حکم نہیں دے دیتے کہ وہ اپنے سر کے بال منڈوا ہی دیں؟

(صحیح مسلم: ۵۹/۳۳۱، دارالسلام: ۷۴۷)

۲: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر رد کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عملاً سر پر پانی ڈال کر سمجھایا کہ بال کھولنا ضروری نہیں ہے۔

۳: محدث ابوعوانہ الاسفرائنی (متوفی ۳۱۶ھ) نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

"باب صفة الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله ﷺ ، وصفة غسل رأسه من الجنابة ، دون سائر جسده"

رسول اللہ ﷺ کے غسل والے برتنوں کا بیان، اور غسل جنابت میں، باقی سارے جسم کو چھوڑ کر (صرف) سر دھونے کی صفت کا بیان۔ (صحیح ابی عوانہ ۱/۲۹۴)

محدث کبیر کی اس تبویب سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف سر دھوکر

دکھایا تھا، باقی جسم دھو کر نہیں دکھایا تھا۔

۴: صحیح مسلم والی روایت میں آیا ہے کہ " فافرغت علی رأسها ثلاثاً "

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر تین دفعہ (بال کھولنے کے بغیر ہی) پانی بہایا تھا۔ (۳۲۰/۴۲) باقی جسم کے غسل کا ذکر اس روایت میں قطعاً نہیں ہے۔

۵: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شاگردوں کے درمیان (موٹا) پردہ (حجاب، ستر) تھا۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کر رہے تھے " فاطمة ابنته تستره بثوب " اور آپ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک کپڑے کے ذریعے سے آپ کا پردہ کر رکھا تھا۔

(موطأ امام مالک ۱۵۲/۱ ح ۳۵۶ بتحقیقی، وصحیح البخاری: ۳۵۷ وصحیح مسلم: ۲۳۶/۸۲ بعد ح ۷۱۹)

یہ ظاہر ہے کہ پردے کے پیچھے سے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ پھر پردے کا مقصد کیا ہے؟

۶: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یزید البصری تھے (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۱ ص ۳۱۷) یا کثیر بن عبید الکوفی تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے (فتح الباری ۳۶۵/۱) معلوم ہوا کہ یہ دونوں شاگرد، غیر محرم نہیں بلکہ محرم تھے، دینِ اسلام میں محرم سے سر، چہرے اور ہاتھوں کا کوئی پردہ نہیں ہے۔

۷: عبدالرحمٰن دیوبندی لکھتے ہیں: "حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہونے والے یہ دونوں محرم تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کے سامنے پردہ ڈال کر غسل کیا اور دونوں نے حضرت عائشہؓ کا سر اور اوپر کا بدن دیکھا جو محرم کو دیکھنا درست ہے لیکن جسم کے باقی اعضاء جن کا مستور رکھنا محرم سے بھی ضروری ہے وہ پردہ میں تھے"

(فضل الباری ج ۲ ص ۴۲۸، از افادات شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

۸: غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: "اس حدیث پر منکرین حدیث اعتراض کرتے

ہیں کہ ان احادیث کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ اجنبی مرد حضرت عائشہ سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو غسل کر کے دکھاتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرد اجنبی نہ تھے۔ ان میں سے ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھتیجے تھے اور دوسرے عبداللہ بن یزید آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ غرض دونوں محرم تھے، آپ نے حجاب کی اوٹ میں غسل کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ازواج مطہرات کپڑوں کے ساتھ غسل کرتی تھیں اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو شرح صدر ہو جائے کہ اتنی مقدار پانی غسل کے لئے کافی ہوتا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں نے سر اور جسم کے اس بالائی حصہ میں غسل کا عمل دیکھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز ہے اور اگر انہوں نے اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پانی منگانے اور ان کی موجودگی میں غسل کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ستر کا انتظام، سر اور چہرے کے نچلے حصے کے لئے کیا تھا جس کو دیکھنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے'' (شرح صحیح مسلم ج۱ ص ۱۰۱۹، ۱۰۲۹)

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں صرف یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ غسل میں، سر کے بال کھولے بغیر ہی سر پر تین دفعہ پانی ڈالنا چاہئے، اس حدیث کا باقی جسم کے غسل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ماہنامہ الحدیث: ۲ص ۳۰ تا ۳۳، جولائی ۲۰۰۴ء)

یہ صحیح ہے کہ مظاہرہ کرنا قطعی ضروری نہ تھا لیکن اگر اپنے بھائی بھانجے کو عملاً سر پر پانی ڈال کر مسئلہ سمجھا دیا تو اس میں قباحت بھی نہیں ہے۔

مجرم (۳۲): ''عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاط کرنا چاہتے تو حیض کے غلبہ کے دوران ازار (لنگی تہمد) باندھنے کا حکم دیتے اور پھر اختلاط فرماتے۔ (کتاب الحیض بخاری۔ صفحہ ۱۹۸) قرآن اس سے منع فرماتا ہے۔'' (اسلام کے مجرم ص ۴۶)

الجواب: صحیح بخاری (۳۰۲) کی اس حدیث میں مباشرت (اختلاط) سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کپڑے پہنے ہوئے، ازار باندھے ہوئے اکٹھے لیٹ جائیں تو جائز ہے

بشرطیکہ جماع نہ کریں کیونکہ حالتِ حیض میں جماع کرنا حرام ہے۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اپنی شہوت پر کنٹرول کرنے والے تھے یعنی آپ حالت حیض میں مباشرت تو فرماتے لیکن جماع ہرگز نہیں کرتے تھے۔قرآنِ مجید میں جس مباشرت اور قربت سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد جماع ہے۔دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۲/۲۲۵) لہٰذا قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔والحمدللہ

مجرم (۳۳): ''عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں ہمارے بوسے لیا کرتے تھے اور مباشرت کیا کرتے تھے۔(بخاری،کتاب سوم صفحہ ۱۹۱) کیا یہ سچ ہوسکتا ہے؟ کیا واقعی امام بخاری نے یہ حدیث لکھی ہوگی؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: صحیح بخاری (کتاب الصوم: ۱۹۲۷، ۱۹۲۸) کی یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے امام بیہقی اور امام بغوی دونوں نے امام بخاری سے نقل کر رکھا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۳۰، شرح السنۃ للبغوی ۶/۲۷۶ ح ۱۷۴۹)

امام بخاری کے علاوہ اس حدیث کو معمولی اختلاف کے ساتھ امام مالک (الموطأ ۱/۲۹۲ ح ۶۵۲) امام شافعی (کتاب الام ۲/۹۸) اور امام احمد بن حنبل (المسند ۶/۴۲ ح ۲۴۱۵۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مباشرت سے مراد اپنی بیوی کے ساتھ صرف لیٹنا اور پیار کرنا ہے بشرطیکہ آدمی اپنی شہوت پر کنٹرول کر سکے۔یہاں مباشرت سے مراد جماع ہرگز نہیں ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر کا شوہر جسے اپنی شہوت پر مکمل کنٹرول حاصل ہے، اپنی بیوی کا روزے کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہے۔یاد رہے کہ یہ بات قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔

مجرم (۳۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز کرتا یعنی ہوا خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے۔(بخاری۔جلد اول۔صفحہ ۲۰۱) کیا یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہوسکتی ہے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷)

الجواب: صحیح بخاری (۶۰۸) وموطا امام مالک (۱/۶۹، ۷۰ ح ۱۴۹) والصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۲۶) اور مسند احمد (۲/۳۱۳ ح ۸۱۳۹) وغیرہ کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے اور آواز کے ساتھ اپنی ہوا نکالتا ہے۔ بعض مواقع پر شیطان کا پیٹھ پھیر کر بھاگنا قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ دیکھئے سورۃ الانفال (۴۸)

رہا اس کی ہوا کا خارج ہونا تو اس پر تعجب کی کیا بات ہے؟ جب انسان کی ہوا خارج ہوتی ہے تو کیا شیطان کی ہوا خارج نہیں ہو سکتی؟

مجرم (۳۵): ''عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس نے بندریا کے ساتھ زنا کیا تھا سب بندروں نے سنگسار کیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا۔ ایک اور حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ وہ بندریا ایک ادھیڑ عمر بندر کے ساتھ لیٹی تھی۔ ایک جوان بندر آیا اور آنکھ مار کر اسے اپنے ساتھ لے گیا پھر انہوں نے زنا کیا۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۲۰۱) جانور پر شرعی قانون؟'' (اسلام کے مجرم ص ۴۷، ۴۸)

الجواب: یہ حدیث نہیں بلکہ عمرو بن میمون تابعی رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ اس واقعے میں بندروں سے مراد جن ہیں۔ دیکھئے ص ۳۷۔ ۳۹

مجرم (۳۶): ''آفتاب شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری جلد دوم۔ صفحہ ۱۳۴)'' (اسلام کے مجرم ص ۴۸)

الجواب: صحیح بخاری (۳۲۷۳) وصحیح مسلم (۸۲۸، ترقیم دارالسلام: ۱۹۲۵) والی یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند احمد (۲/۱۳ ح ۴۶۱۲ وسندہ صحیح) صحیح ابن خزیمہ (۱۲۷۳) صحیح ابن حبان (۱۵۴۳) صحیح ابی عوانہ (۱/۳۸۲، ۳۸۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۵۵۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے:

۱: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۷۴ وسندہ صحیح)

۲: عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۳۲، دارالسلام: ۱۹۳۰)

۳: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۷۵ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۱۲۵۲ وسندہ حسن)

۴: عائشہ رضی اللہ عنہا (السنن الصغریٰ للنسائی ۱/۲۷۹ ح ۵۷۱ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت اپنے دونوں سینگ رکھتا ہے۔ (موطا امام مالک ۱/۲۲۱ ح ۵۱۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور سورج کا شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع وغروب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہاں شیطان اپنے سینگوں سمیت کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف سجدہ کریں۔

مجرم (۳۷): ''کیا تم کسی جانور کو دیکھتے ہو کہ وہ ناقص الاعضاء یعنی بغیر کان آنکھ یا ناک یا بغیر پنجے کے پیدا ہوا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا) (بخاری شریف جلد اول۔ صفحہ ۵۲۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف حقیقت بات کیسے فرما سکتے ہیں؟ جانور ناقص الاعضاء آئے دن پیدا ہوتے ہیں۔''

(اسلام کے مجرم ص ۵۴، ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۱۳۵۸، ۱۳۵۹) وصحیح مسلم (۲۶۵۸) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح وسالم بچہ جنتا ہے کیا تم ان میں کوئی کان کٹا بچہ بھی دیکھتے ہو؟ پھر (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ الآیۃ

یہ حدیث اس مفہوم اور کئی سندوں کے ساتھ صحیح بخاری وصحیح مسلم سے پہلے الصحیفۃ الصحیحۃ للامام ہمام بن منبہ (۲۶) مصنف عبدالرزاق (۱۱/۱۱۹ ح ۲۰۰۸۷) مسند احمد (۲/۲۷۵ ح ۷۷۱۲) موطأ امام مالک (۱/۲۴۱ ح ۵۷۲) اور مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۱۱۱۹ وسندہ صحیح) وغیرہ میں موجود ہے۔

اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ عام طور پر جانور صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں لیکن انسان اُن کے کان کاٹ کر کن کٹا بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح عام طور پر انسان دین اسلام پر

پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین انھیں کافر و مشرک بنا دیتے ہیں۔ "یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا" کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات حقیقت پر مبنی ہے اور یہی حق ہے اگرچہ منکرین حدیث اس کا کتنا بھی انکار کرتے پھریں۔

مجرم (۳۸): "فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی تقدیر لکھ دیتا ہے یعنی زندگی، موت اور رزق۔ اعمال بد ہونا اور اچھا ہونا۔ (بخاری کتاب الحیض۔ صفحہ ۲۰۱) اگر ایسا ہوتا تو قرآن کا ہدایت نامہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" (اسلام کے مجرم ص ۵۵)

الجواب: صحیح بخاری (۳۱۸) و صحیح مسلم (۲۶۴۶، دارالسلام: ۶۷۳۰) وغیرہما کی اس صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ رب تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے رزق، موت، خوش قسمت ہونے، یا بد بخت ہونے کو لکھ دو۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تقدیر سے ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے لہٰذا وہ یقیناً سب جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور پرسوں کیا ہوگا۔ وہ اپنے علم غیب سے بندے کی تقدیر لکھوا دیتا ہے تو اس پر اعتراض کی کیا بات ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج﴾ کہہ دو ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوبہ: ۵۱)

نیز دیکھئے سورۃ الحدید (۲۲)

شرح حدیث جبریل کی تشریح میں چھٹے فائدے کے تحت شیخ عبدالمحسن العباد المدنی فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان (۱)

ششم: ان دونوں تابعین کے سوال کا عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کا انکار سنگین (اور خوفناک) بدعت ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان دو طرح کا ہے:

درجۂ اول: اس پر ایمان کہ بندے جو خیر، شر، اطاعت اور نافرمانی کے اعمال کریں گے، اُن کی پیدائش اور وقوع سے پہلے یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے (وہ سب جانتا ہے) کہ ان میں کون جنتی اور کون دوزخی ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق و تکوین سے پہلے ان کے اعمال کا بدلہ

ثواب وعذاب کی صورت میں تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ نے اپنے پاس لکھ رکھا ہے اور اسے سب معلوم ہے۔ بندے وہی اعمال کرتے ہیں جو پہلے سے اللہ کے علم اور کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

درجۂ دوم: بندوں کے تمام افعال چاہے کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا نافرمانی، اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اور وہ ان سے (ایمان واطاعت) چاہتا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت اس (عقیدے) کا اقرار کرتے ہیں اور قدریہ (منکرین تقدیر) اس کا انکار کرتے ہیں۔ درجۂ اول کو بہت سے منکرینِ تقدیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے غالی حضرات جیسے معبد الجہنی، جس کے بارے میں ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے سوال ہوا تھا، اور عمرو بن عبید وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ بہت سے ائمۂ سلف نے کہا ہے کہ قدریہ سے علم پر مناظرہ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو انھیں شکست ہو جائے گی اور اگر انکار کریں تو کفر کریں گے۔ (یعنی کافر ہو جائیں گے) ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے علمِ قدیم کا انکار کرے جو بندوں کے افعال سے پہلے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے انھیں بدبخت اور خوش بخت میں تقسیم کردیا ہے اور اسے اللہ نے اپنے پاس محفوظ کتاب میں لکھ دیا ہے، تو اس شخص نے قرآن کا انکار کیا لہٰذا اس سے وہ کافر ہو گیا۔

اور اگر وہ اس کا اقرار کریں اور اس کا انکار کریں تو اللہ نے اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے اور اُن سے تکوینی تقدیری ارادہ چاہا (یعنی حق و باطل کے دونوں راستوں کا اختیار دے کر یہ چاہا کہ وہ حق پر چلیں) تو وہ (منکرینِ تقدیر) لاجواب ہو جائیں گے کیونکہ انھوں نے وہ چیز تسلیم کرلی ہے جس کا وہ انکار کرتے تھے۔

ان لوگوں کی تکفیر میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ شافعی، احمد اور دوسرے ائمۂ مسلمین اُس شخص کو کافر کہتے ہیں جو (اللہ کے) علمِ قدیم کا انکار کرتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ۱/۱۰۳، ۱۰۴)

(شرح حدیث جبریل ص ۱۵ تا ۱۷)

دوسرے مقام پر اسی فائدے کی مفصل تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالمحسن فرماتے ہیں:

تقدیر پر ایمان (۲)

ششم: اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآنِ مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و مقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (القمر:۴۹)

اور فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ (التوبۃ:۵۱)

اور فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ زمین میں اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ (الحدید:۲۲)

رہی سنت تو امام بخاری و امام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور (اس سلسلے میں) سستی نہ کر۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہہ کہ اگر میں اس طرح اور اس طرح کرتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہُوا۔ کیونکہ لَو (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۶۴)

طاؤس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔

(صحیح مسلم:۲۶۵۵)

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُست کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ عاجز کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے''

(شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت و دوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (یعنی جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کرکے نہ بیٹھ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (یعنی جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کئے گئے ہیں لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ ﴾ سے لے کر ﴿ لِلْعُسْرٰى ﴾ [سورۃ الّیل: ۵، ۱۰] تک۔

(صحیح بخاری: ۴۹۴۵ وصحیح مسلم: ۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انھی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے اسباب بنائے ہیں۔ کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھ تُو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (مافوق الاسباب) سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور (تقدیر کے)

صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن الترمذی:۲۵۱۶ وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح")

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں، جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے:

پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی و ابدی ہے۔ ہر چیز جو ہونے والی ہے، ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے، اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے، سب کچھ لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم:۲۶۵۳ من حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیت اور اس کا ارادہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: کُنْ (ہو جا) تو ہو جاتا ہے [یٰسٓ:۸۲] اور فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التکویر:۲۹)

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیت پر ہے، اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ اشیاء اور ان کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر:۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت:۹۶)

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو

کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے:

① کسی چیز کا واقع ہو جانا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

② مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال، یاجوج و ماجوج اور نزول عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) وغیرہ اُمور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔ یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان اُمور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے اُمور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انھی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابو بکرہ (نفیع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہما) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔'' (صحیح بخاری: ۲۷۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے یہ جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد) اکتالیس ہجری (۴۱ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہو گیا۔ اسے ''عام الجماعۃ'' (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا و محبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک صلح کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہو جائے۔ یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابۂ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ اور اس (اللہ) نے ہر چیز پیدا کی، پس اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقداریں بنائیں۔ (الفرقان:۲)

پس خیر و شر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لمبی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخير كله في يديك والشر ليس إليك)) ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم: ۷۷۱) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت) عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر:۶۲)

اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و اندازے) سے پیدا کیا۔ (القمر:۴۹)

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا: ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ اور ہمیں پتا نہیں کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔ (الجن:۱۰)

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں مشیت کا ذکر تکوینی و تقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی کبھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی و تقدیری معنی کے لئے

یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگر چہ میں تمھیں نصیحت کروں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ (ھود:۳۴)

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔ (الانعام:۱۲۵)

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔

(البقرۃ:۱۸۵)

اور فرمایا: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمھیں حرج میں ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کردے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردے تاکہ تم شکر کرو۔ (المائدۃ:۶)

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہے۔

تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی کلمات ہیں جو تکوینی و شرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اور امر وغیرہ ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے انتیسویں (۲۹) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن وسنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ زمین اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہم نے کتاب میں درج کی ہے۔ (الحدید:۲۲)

اور اس میں سے حدیث ہے: ''قلم اُٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔'' (دیکھئے ص۸۶،۸۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ (الرعد:۳۹)

اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لا سکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ (الرعد:۳۸)

اور اس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقداریں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲، ۴، ۵، ۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ ''قضاء (تقدیر) کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے سے اضافہ ہوتا ہے۔'' (سنن الترمذی:۲۱۳۹، اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:۱۵۴)

یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (و تبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اور اس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے

ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔ اور اسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازیٔ عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی و صلہ رحمی ہے۔ پس اسباب اور وجۂ اسباب سب اللہ کی قضاوقدر سے ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث: ''اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو'' (صحیح البخاری: ۲۰۶۷ و صحیح مسلم: ۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوحِ محفوظ میں مقرر ہے۔ نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ﴾ اور جب کسی نفس کا وقت آجائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ (المنٰفقون: ۱۱)

اور فرمایا: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر اُمت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ (یونس: ۴۹)

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اَجل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔ معتزلہ کی طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت کے لئے اسباب مقرر ہیں۔ یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا وغیرہ۔

تقدیر کے بہانے سے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا بھی تیری قسمت میں تھی۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث و مباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا

ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی تھی۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم اور موسیٰ نے بحث و مباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آگئے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۰۹ و صحیح مسلم: ۲۶۵۲)

ابن القیم نے اپنی کتاب "شفاء العلیل" میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک و کفر پر قائم (اور ڈٹے ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم و استنباط سے ہے:

ابن القیم فرماتے ہیں کہ "جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء و صفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے، لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کر لیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا و قدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش

کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت و اولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا'' بعض روایات میں ''خَيَّبْتَنَا'' (آپ نے ہمیں محروم کردیا) کا لفظ آیا ہے۔

پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی، میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے۔ اس کا دوسرا جواب بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ نقصان دہ ہے۔ اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کرسکتا ہے۔ جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے (اپنی لغزش کے بعد) کیا۔ اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ہے۔ اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امر و نہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔ بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی و قوت سے برأت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا:

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا کہ یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔ پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔ اور کہے: ''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا'' اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے سے حق کا انکار نہیں کیا، نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کر دے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔ یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور پھر باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے (الانعام:۱۴۸) ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔ (الزخرف:۲۰)

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔ انھوں نے اپنے (شرکیہ و کفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔ یہ اس آدمی کے استدلال سے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجہِ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجہِ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...'' (شفاء العلیل ص ۳۵، ۳۶)

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے۔ ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں، وہ اس کے مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔ یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور بندوں کے افعال کا

(بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾
کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ (الرعد:۱۶)
اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾
اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ ونگران) ہے۔ (الزمر:۶۲)
اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت:۹۶)

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیت اور ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کردیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں کہ جس طرح درختوں کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اس طرح رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ رہ جاتا ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف ہوتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت ہوتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (یعنی نیکی وبدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قائم بہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیاری افعال ہیں جو بندے کی مشیت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور

ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثبات تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیت کا اثبات کیا ہے اور رب کیلئے مشیت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیت کو اللہ کی مشیت کے تابع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التکویر: ۲۸، ۲۹)

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے برخلاف قدریہ کہتے ہیں کہ ''بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں'' بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہو سکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبور محض ہے یا وہ (کُلی) با اختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبورِ محض ہے اور نہ مطلقاً با اختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے با اختیار ہے کہ اسے مشیت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسَیَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے

درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کر کے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی کا راستہ (جنت) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (یعنی جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل و انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اسے دو راستوں (یعنی شر اور خیر) کی طرف راہنمائی نہیں کی؟ (البلد: ۸۔۱۰)

اور فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تاکہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کافر بنے۔ (الدھر:۳)

نیز فرمایا: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ جسے اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اُس نے گمراہ کیا تو آپ اس کا ولی (مددگار) مرشد و ہدایت دینے والا نہیں پائیں گے۔ (الکھف:۱۷)

ہدایتیں دو طرح کی ہیں: (۱) ہدایتِ دلالت وارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے۔

(۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں (الشوریٰ:۵۲) یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت

دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص:۵۶)

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کردی ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (یونس:۲۵)

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے۔) مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔'' اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کردیا گیا ہے اور یہ ہدایت توفیق ہے۔ (شرح حدیث جبریل ص۹۶ تا ۱۰۱)

مجرم (۳۹): ''ابو ہریرہؓ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں۔ (امام بخاری بحوالہ رسالہ ''البلاغ'' صفحہ ۳، جوہانس برگ)'' (اسلام کے مجرم ص ۶۹)

الجواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے لیکن یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ''وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں'' یہ بات نہ امام بخاری نے فرمائی اور نہ اُمتِ مسلمہ کے کسی ایک امام نے، یہ بات نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں لہٰذا ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) نے جھوٹا حوالہ پیش کیا ہے۔ رسالہ البلاغ کس (کذاب) کا ہے؟ ہم نہیں جانتے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ کراچی کے دیوبندیوں کا رسالہ البلاغ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اعلیٰ درجے کے سچے، ثقہ فقیہ مجتہد اور جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کے مختصر فضائل کے لئے ماہنامہ الحدیث حضرو سے ایک مضمون پیش خدمت ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہر مومن جو میرے بارے میں سُن لیتا ہے، مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ابو کثیر یحییٰ بن عبدالرحمٰن السحیمی نے پوچھا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انھوں نے فرمایا: میری ماں مشرکہ تھی، میں اسے اسلام (لانے) کی دعوت دیتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے دعوت دی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کہہ دیں جنھیں میں ناپسند کرتا تھا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور روتے ہوئے آپ کو سارا قصہ بتادیا۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ میری ماں کی ہدایت کے لئے دعا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں اس دعا کی خوشخبری لئے بھاگتا ہوا نکلا اور اپنے گھر کے پاس پہنچا تو دروازہ بند تھا اور نہانے والے پانی کے گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میری ماں نے جب میری آواز سُنی تو کہا: باہر ٹھہرے رہو۔ پھر اس نے لباس پہن کر دروازہ کھولا تو (ابھی) دوپٹہ اوڑھ نہ سکیں اور کہا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله"

میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میں خوشی سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! خوش ہو جایئے، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا کر دی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور خیر کی بات کہی، میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اور میری ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے تو آپ نے فرمایا: ((اللهم حبّب عبيدك هذا وأمه إلى عبادك المؤمنين وحبب إليهم المؤمنين .))

اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ) اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے اور ان

کے دل میں مومنوں کی محبت ڈال دے۔ (صحیح مسلم:۲۴۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہوتی ہے لہٰذا وہ بصیغۂ جزم یہ فرماتے تھے کہ ہر مومن مجھ سے محبت کرتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مسکین آدمی تھا، پیٹ بھر کھانے پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا تھا جبکہ مہاجرین تو بازاروں میں اور انصار اپنے اموال (اور زمینوں) کی نگہداشت میں مصروف رہتے تھے۔ پھر (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من بسط ثوبه فلن ينسى شيئاً سمعه مني))

جو شخص (اب) اپنا کپڑا اچھائے تو وہ مجھ سے سُنی ہوئی کوئی بات کبھی نہیں بھولے گا۔

پھر میں نے کپڑا اچھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثیں بیان کرنے سے فارغ ہوئے پھر میں نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تو میں نے آپ سے (اس مجلس میں اور اس کے بعد) جو سُنا اسے کبھی نہیں بھولا۔ (صحیح بخاری:۲۰۴۷ وصحیح مسلم:۲۴۹۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔ (سنن الترمذی:۳۸۳۶ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث:۳۲ ص ۱۰، ۱۱)

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹) نیز دیکھئے ص ۱۰۷

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "صدق أبو هريرة" ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔

(طبقات ابن سعد ۴/ ۳۳۲ وسندہ صحیح، الحدیث:۳۲ ص ۱۱)

امام بخاری نے حسن سند سے روایت کیا ہے کہ

"عن أبي سلمة عن أبي هريرة عبدشمس" إلخ (التاریخ الکبیر ۶/ ۱۳۲ ت ۱۹۳۸)

معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام سے پہلے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبدشمس تھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں۔
(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱۶۱/۳ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔
(سنن ابی داود: ۸۱ وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱/۱۳۰ ح ۲۳۹ وصححہ الحافظ ابن حجر فی بلوغ المرام: ۶)

ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل تین سال تک اور چوتھے سال کا کچھ حصہ رہے، جسے راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کر دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں حاضر تھا۔
(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۲۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے ایک تہائی حصے میں قیام کرتے (تہجد پڑھتے) تھے اور ان کی زوجہ محترمہ ایک تہائی حصے میں قیام کرتیں اور ان کا بیٹا ایک تہائی حصے میں قیام کرتا تھا۔
(کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۷ ح ۹۸۶، کتاب الزہد لابی داود: ۲۹۸ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۱/۳۸۲، ۳۸۳)

یعنی انھوں نے رات کے تین حصے مقرر کر رکھے تھے جن میں ہر آدمی باری باری نوافل پڑھتا تھا۔ اس طریقے سے سارا گھر ساری رات عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ سبحان اللہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے دورِ امارت کے دوران میں بھی خود لکڑیاں اُٹھا کر بازار سے گزرا کرتے تھے۔ (دیکھئے الزہد لابی داود: ۲۹۷ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۱/۳۸۴، ۳۸۵)

عبداللہ بن رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: آپ کو ابو ہریرہ کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟

ابن رافع نے کہا: جی ہاں، اللہ کی قسم! میں آپ سے ضرور ڈرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کے لئے بکریاں چراتا تھا اور میری ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ رات کو میں اسے ایک درخت پر چھوڑ دیتا اور دن کو اس کے ساتھ کھیلتا تھا تو لوگوں نے میری کنیت

ابو ہریرہ مشہور کر دی۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۲۹ وسندہ حسن)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: آپ کا رنگ سفید تھا اور آپ خوش مزاج نرم دل تھے۔ آپ سرخ رنگ کا خضاب یعنی مہندی لگاتے تھے۔ آپ کاٹن کا کھردرا پھٹا ہوا لباس پہنتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۳۳، ۳۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر اُس شخص کے دشمن تھے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن تھا۔

(طبقات ابن سعد ۴/۳۳۵ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران میں اُن کے پاس گئے تو کہا: اے اللہ! ابو ہریرہ کو شفا دے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! مجھے واپس نہ کر...... اے ابو سلمہ! اگر مر سکتے ہو تو مر جاؤ، اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ کی جان ہے! علماء پر ایسا وقت آئے گا کہ اُن کے نزدیک سُرخ خالص سونے سے زیادہ موت پسندیدہ ہوگی اور قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا وقت آجائے کہ آدمی جب کسی مسلمان کی قبر کے پاس سے گزرے تو کہے کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

(طبقات ابن سعد ۴/۳۳۷، ۳۳۸ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا تو انھوں نے فرمایا:

مجھ (میری قبر) پر خیمہ نہ لگانا اور میرے ساتھ آگ لے کر نہ جانا اور مجھے (قبرستان کی طرف) جلدی لے کر جانا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نیک انسان یا مومن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے (جلدی) آگے لے چلو اور کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے میری تباہی! مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ (مسند احمد ۲/۲۹۲ ح ۷۹۱۴ وسندہ حسن، طبقات ابن سعد ۴/۳۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں مر جاؤں تو مجھ پر نوحہ (آواز کے ساتھ ماتم) نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۱/۲۸۲ وسندہ حسن)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے عظیم حافظہ عطا

فرمایا تھا۔ایک دفعہ مروان بن الحکم الاموی نے ان سے کچھ حدیثیں لکھوائیں اور اگلے سال کہا کہ وہ کتاب گم ہوگئی ہے، وہی حدیثیں دوبارہ لکھوادیں۔

انھوں نے وہی حدیثیں دوبارہ لکھوادیں۔جب دونوں کتابوں کو ملایا گیا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔ (المستدرک للحاکم ۳/۵۱۰ وسندہ حسن، الحدیث: ۳۲ ص ۱۳، ۱۴)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب حدیثیں بیان کرنا شروع کرتے تو سب سے پہلے فرماتے:

ابوالقاسم الصادق المصدوق (سچے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار.)) جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنالے۔(مسند احمد ۲/۴۱۳ ح ۹۳۵۰ وسندہ صحیح)

آپ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے زمین پر لیٹ جاتا تھا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۶۴۵۲)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے فرمایا کرتے تھے: "لا تلبسي الذهب فإني أخشى عليك اللهب" سونا نہ پہنو کیونکہ مجھے تم پر (آگ کے) شعلوں کا ڈر ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۱/۳۸۰ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: پوری دنیا میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۱/۲۵۳ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "......اللّٰهم لا تدركني سنة ستين" اے میرے اللہ! مجھے ساٹھ ہجری تک زندہ نہ رکھ۔ (تاریخ دمشق لابی زرعۃ الدمشقی: ۲۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:"اللهم لاتدركني إمارة الصبيان"

اے میرے اللہ! مجھے بچوں کی حکومت تک زندہ نہ رکھ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۴۶۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے لئے ان میں برکت کی دعا فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے برکت کی دعا فرمائی اور ان سے کہا:

ان کھجوروں کو لے کر اپنے اس توشہ دان (تھیلی) میں ڈال لو، اس میں سے جب بھی کھجوریں لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور انھیں (سارے باہر نکال کر) نہ بکھیرنا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کھجوروں میں سے اتنے اتنے وسق اللہ کے راستے میں خرچ کیے۔ ہم ان میں سے کھاتے بھی تھے اور کھلاتے بھی تھے۔

یہ توشہ دان ہر وقت میری کمر سے بندھا رہتا تھا حتیٰ کہ (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو یہ پھٹ (کر گم ہو) گیا۔ (سنن الترمذی: ۳۸۳۹ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۶۴۹۸)

ساٹھ صاع یعنی ۱۵۰ کلو کو ایک وسق کہتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ سات سو سے زیادہ تابعین نے آپ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور جلیل القدر صحابۂ کرام بشمول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ پر اعتماد کیا۔

آپ اپنی دعا کے مطابق ساٹھ ہجری سے پہلے ۵۷، ۵۸ یا ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

آپ کے بارے میں امام ابو بکر محمد بن اسحاق الامام رحمہ اللہ نے بہترین کلام فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر چار طرح کے آدمی کلام (جرح) کرتے ہیں:

۱: معطل جہمی (جو صفاتِ باری تعالیٰ کا منکر ہے)

۲: خارجی (تکفیری جو مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کا قائل ہے)

۳: قدری (معتزلی جو تقدیر اور احادیثِ صحیحہ کا منکر ہے)

۴: جاہل (جو فقیہ بنا بیٹھا ہے اور بغیر دلیل کے تقلید کی وجہ سے صحیح احادیث کا مخالف ہے)

دیکھئے المستدرک للحاکم (۳/ ۵۱۳ ح ۶۱۷۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "یبصر أحدکم القذاۃ في عین أخیه وینسی الجذع أو الجذل في عینه" تم میں سے ہر شخص دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔

(کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۸ ح ۹۹۲ وسندہ صحیح، الادب المفرد: ۵۹۲، وسندہ حسن)

یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔

(زوائد زہد ابن المبارک لابن صاعد: ۲۱۲ وسندہ حسن صحیح ابن حبان، الموارد: ۱۸۴۸)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ و تابعین اور اہلِ ایمان کی محبت سے بھر دے۔ آمین [ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۲]

اس سلسلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں راقم الحروف سے ایک شخص نے ایک سوال پوچھا تھا جس کا جواب ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع ہوا تھا۔ یہ سوال و جواب پیش خدمت ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر منکرینِ حدیث کے حملے

سوال: ایک صاحب کی زبانی واقعہ سننے کا اتفاق ہوا: "ایک دن مسجد نبوی کے صحن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرماتے اور کچھ حاضرین کو کوئی حدیث بیان کر رہے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو کہنے لگے: ابو ہریرہ! جو بات آپ بیان کر رہے ہیں، جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور یہ بات ہرگز ایسے نہ تھی، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات منسوب کرتے ہوئے خدا کا خوف محسوس نہ ہوا اور اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں (عمر) اس کی گردن مار دیتا" العیاذ باللہ

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟

ساتھ ہی گفتگو کے دوران اُن صاحب نے اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ

"ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا: اب آپ بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایسا نہیں تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس وقت مجھے اپنی گردن ماری جانے کا خوف تھا۔"

کیا یہ واقعات صحیح ہیں؟ (فخر الحسن گیلانی، راولپنڈی، ۲۱ نومبر ۲۰۰۶ء)

الجواب: الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

یہ واقعہ بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع اور باطل ہے۔ مجھے کسی کتاب میں یہ واقعہ باسند صحیح نہیں ملا۔ اس بے اصل قصے کے سراسر برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر

مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اس کی دلیل کے طور پر صحیح احادیث سے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو کھال پر سوئی سے گود کر لکھتی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور (صحابۂ کرام سے) فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوئی سے گودنے کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا: اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا سنا ہے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

((لا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْ شِمْنَ .)) گودنے کا کام نہ کرو اور نہ کسی سے گدواؤ۔ (صحیح بخاری: ۵۹۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کے بارے میں پوچھنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سچا اور قابلِ اعتماد سمجھتے تھے۔

② ایک دفعہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو گوشۂ چشم سے (غصے کے ساتھ) دیکھا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بہتر شخص سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے پھر انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((أَجِبْ عَنِّي، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ .))

میری طرف سے جواب دو، اے اللہ! اس (حسان) کی روح القدس کے ذریعے سے مدد فرما؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ (صحیح مسلم: ۲۴۸۵/۱۵۱ [۶۳۸۴])

③ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”یا أبا هريرة! أنت كنت ألزمنا لرسول الله ﷺ وأحفظنا لحديثه“

اے ابو ہریرہ! آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے زیادہ رہتے تھے اور

آپ ﷺ کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔

(سنن الترمذی:۳۸۳۶ وسندہ صحیح، وقال الترمذی: "ھٰذا حدیث حسن" وصححہ الحاکم ۳/۵۱۰، ۵۱۱ ح ۶۱۶۷ ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام تھا۔ یاد رہے کہ اس حج میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"صدق أبو هريرة" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۳۲ وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(التاریخ الصغیر [التاریخ الاوسط] للبخاری ص ۵۵ دوسرا نسخہ ۱/۱۲۸، ۱۲۹ وسندہ صحیح، ابن وہب رواہ عن ابن جریج والراوی عنہ ابن صالح أو ابن عیسیٰ المصری وکلاہما ثقتان)

سیدنا رسول اللہ ﷺ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے میرے اللہ! ابو ہریرہ اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے۔ (صحیح مسلم:۲۴۹۱/۱۵۸ [۶۳۹۶])

یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۴۹۱ نحو المعنیٰ)

خلاصۃ التحقیق: ان تمام روایات اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئولہ بالا قصہ بے اصل اور موضوع ہے۔

دوسرا قصہ: گردن ماری جانے کا خوف

یہ قصہ بھی بے اصل اور موضوع ہے۔اس سلسلے میں چند دیگر روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱۔ محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے: میں ایسی حدیثیں بیان کرتا ہوں، اگر میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں یہ حدیثیں بیان کرتا تو آپ میرا سر (مار مار کر) زخمی کر دیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱۰/۸، وسیر اعلام النبلاء للذہبی ۶۰۱/۲)

عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ سے نیچے سند غائب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت سخت منقطع ہے۔دیکھئے الانوار الکاشفہ (ص ۱۵۵) ابن عجلان مدلس بھی تھے۔دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۹۸/۳، المرتبۃ الثالثۃ) ومشکل الآثار للطحاوی (۱۰۰/۱، ۱۰۱)

۲۔ صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن ابی سلمۃ کی سند سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ سند ضعیف ومردود ہے۔صالح بن ابی الاخضر: "ضعیف یعتبر به" ہے۔ (التقریب: ۲۸۴۴)
امام زہری مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۱۰۲/۳، المرتبۃ الثالثۃ) اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۵۵/۱ باب مس الفرج)

صالح بن ابی الاخضر سے نیچے والی سند یہاں غائب ہے اور سیر اعلام النبلاء (۶۰۲/۲) میں اس کا صالح سے راوی یزید بن یوسف الرحبی ضعیف ہے لہذا یہ سند صالح سے بھی ثابت نہیں ہے۔

۳۔ بغیر سند کے "محمد بن یحیی الذهلي :ثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهري" کی سند سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں یہ حدیثیں بیان نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری پیٹھ پر کوڑا برسے گا۔

(البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے: ① امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ان کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ دیکھئے الاتحاف المہرۃ لابن حجر (۵۹۰/۱۵) وتحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل للعراقی (ص ۲۸۹) وجامع التحصیل (ص ۲۶۹)

② امام زہری کی تدلیس کے علاوہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۲/۵۸، المرتبۃ الثانیۃ/ صحیح یہ ہے کہ وہ مرتبۂ ثالثہ سے ہیں) وکتاب الضعفاء للعقیلی (۱۱۰/۳، ۱۱۱ وسندہ صحیح)

صرف یہ روایت ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کثرت سے) حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمھیں (تمھارے قبیلے) دوس میں بھیج دوں گا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۷۵، وسندہ صحیح)

یہ روایت اس پر محمول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح دوسرے صحابہ کو بھی منع کیا تھا کہ کثرت سے حدیثیں بیان نہ کریں۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی (۶۰۱/۲)

اس فاروقی اجتہاد کے مقابلے میں دیگر صحابہ مثلاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہم کثرت سے صحیح احادیث بیان کرتے تھے اور جمہور صحابہ کا یہی طرزِ عمل راجح ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عظیم حافظے کا ایک صحیح واقعہ

ابو زعیزعہ کاتبِ مروان سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور (حدیثیں) پوچھنے لگا۔ مروان نے مجھے پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا تاکہ میں (یہ حدیثیں) لکھوں۔ اگلے سال مروان نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو دوبارہ بلایا اور ان احادیث کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں لکھی ہوئی کتاب کو

دیکھتا رہوں۔ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک حرف کا بھی فرق نہیں کیا۔

(الاشراف علیٰ مناقب الاشراف لابن ابی الدنیا ص ۱۵۷، ۱۵۸ ح ۳۱۱ وسندہ حسن، المستدرک للحاکم ۳/۵۱۰ ح ۶۱۶۴ وقال: "ھٰذا حدیث صحیح الاسناد" وقال الذہبی: "صحیح")

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیسا عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا!

تنبیہ: حاکم اور ذہبی کی توثیق بذریعہ تصحیح حدیث کے بعد ابوزعیزعہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان کرامت

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک خراسانی نوجوان آیا تو اس نے جانور کے تھنوں میں دودھ روکنے کے مسئلے کے بارے میں پوچھا اور دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک استدلال کرنے والے (محدث) نے اس مسئلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو وہ خبیث نوجوان بولا: "أبو هريرة غير مقبول الحديث" ابو ہریرہ کی حدیث مقبول نہیں ہے۔ قاضی ابوالطیب نے فرمایا: اس نوجوان نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ اتنے میں جامع مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گر پڑا تو لوگ بھاگنے لگے اور وہ نوجوان بھی اس سانپ کے آگے بھاگنے لگا۔ بعد میں یہ سانپ غائب ہوگیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۷/۱۰۶ وسندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت سے بھر دے۔ آمین

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے علمائے حق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل دو کتابیں انتہائی اہم ہیں:

① دفاع عن أبي هريرة (تصنیف عبدالمنعم صالح العلی العزی)

② الأنوار الكاشفة (ص ۱۴۰ تا ۲۲۸ تصنیف الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات سو سے زیادہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے۔ دیکھئے دفاع عن ابی ہریرۃ (ص ۲۷۳ تا ۳۱۴) اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ راویوں نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ [ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۲]

مجرم (۴۰): ”قرآن کی دو آیتیں کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں.... میری بکری آئی اور انہیں کھا گئی۔ (روایت عائشہ صدیقہؓ صحاح ستہ بخاری تا ابن ماجہ) حالانکہ اللہ فرماتا ہے یہ قرآن میں نے نازل کیا اور میں ہی اس کا محافظ ہوں۔“ (اسلام کے مجرم ص ۷۷)

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن الترمذی اور سنن النسائی میں ان الفاظ کے ساتھ قطعاً موجود نہیں ہے لہٰذا منکرِ حدیث نے ایک ہی سانس میں ان پانچوں محدثین پر کالا جھوٹ بولا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۱۹۴۴) و مسند احمد (۲۶۹/۶) میں یہ روایت محمد بن اسحاق بن یسار کی سند سے موجود ہے اور ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

جن دو آیتوں کے بارے میں اس روایت میں آیا ہے کہ انھیں بکری کھا گئی تھی وہ آیت رجم اور رضاعۃ الکبیر عشراً (بڑے آدمی کو دس دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت کا ثابت ہونا) تھیں۔ آیتِ رجم کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی منسوخ ہوگئی۔ دیکھئے تفسیر ابن ابی حاتم (۲۰۰/۱ ح ۱۰۵۷ وسندہ حسن عن اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ وھو صدوق حسن الحدیث) لیکن شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم باقی رہا۔

رضاعۃ الکبیر عشراً والی آیت بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منسوخ ہوگئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۵۲، دارالسلام: ۳۵۹۷) موطأ امام مالک (۶۰۸/۲ ح ۱۳۴۰) اس آیت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا تھا۔

چونکہ ان دونوں آیتوں کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی لہٰذا قرآنِ مجید میں ان کے لکھا جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لہٰذا اس کے حکم سے بکری نے اس چیز کو کھالیا جس پر یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی رہ گئی تھیں۔ منسوخ التلاوت آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآنِ مجید پر کوئی فرق نہیں آیا بلکہ قرآن کامل مکمل اور پورے کا پورا مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ والحمدللہ

ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کی اس کتاب کے شروع میں کذاب و دجال ارائینِ شوریٰ نے لکھا ہے کہ ”قرآن کریم دو آیات میں فرماتا ہے کہ جو شخص آپؐ کو جادو زدہ (مسحور) سمجھے وہ ظالم ہے

لیکن چونکہ بخاری لکھ گیا ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کے ناخن اور بال حاصل کر کے اور گڑیا پر سویاں چبھو کر آپؐ پر جادو کر دیا تھا تو ہمارا مولوی اور اس کے سکھائے ہوئے عوام قرآن کو چھوڑ کر جادو کی روایت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بات پھر آگے چلتی ہے۔ کتاب اللہ کی آخری دو سورتوں کو معوذتین اور جادو نظر بد جنتر منتر وغیرہ کا توڑ سمجھ لیا گیا۔ قرآن کے آفاقی علم و حکمت کو خاک کی آغوش میں ملا دیا گیا۔"

(اسلام کے مجرم ص ۹،۸)

عرض ہے کہ بے شک جو شخص رسول اللہ ﷺ کو مسحور یعنی مخدوع اور مغلوب العقل سمجھتا ہے (دیکھئے تفسیر واحدی/الوسیط ۳/ ۱۱۱) وہ بڑا ظالم اور کافر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی پر جادو کا بعض وقتی اثر نہیں ہوسکتا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے جادو کی وجہ سے یہ اثر ہوا تھا کہ آپ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ڈرو نہیں۔ تم ہی اعلیٰ ہو، اپنے دائیں ہاتھ میں جو (عصا) ہے اُسے پھینکو، یہ ان کی چال کو ختم کر دے گا۔

دیکھئے سورۃ طٰہٰ آیت: ۶۷ تا ۶۹

رسول اللہ ﷺ خیر البشر ہیں۔ بشر کی طرح آپ پر بھی بیماری کا اثر ہوسکتا ہے۔ یہودیوں کے جادو کا آپ پر صرف بعض دن یہ اثر ہوا تھا کہ آپ دنیا کی باتیں بھول جاتے تھے۔ دین کی باتوں پر یہ اثر قطعاً نہیں ہوا تھا لہٰذا دین اسلام محفوظ ہے۔ والحمد للہ

نیز دیکھئے یہی کتاب ص ۲۲، ۲۳، ۳۵۔ ۳۷

نام نہاد ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کے صحیح بخاری پر اعتراضات کا جواب مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مبتدعین و منکرین کی ہدایت کا سامان اور عام مسلمانوں کے لئے ایمان زیادہ ہونے کا باعث بنائے۔ (آمین)

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب.

(۲۹/ رمضان ۱۴۲۸ھ، ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۷ء)

صحیح بخاری کی دو حدیثیں اور ان کا دفاع

سوال: اللہ سے دعا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین) شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر آگاہ فرمائیں۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطي بي ثم غدر ورجل باع حرًا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه أجره.))

(اخرجہ البخاری ۱/۳۰۲ ح ۲۲۷۰، واحمد ۲/۳۵۸)

اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن سُلیم کے متعلق موصوف کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا۔ (!!)

(۲) عن علي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: سيخرج قوم في آخر الزمان أحداث الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من خير قول البرية لايجاوز إيمانهم حناجرهم، يمرقون من الدين كمايمرق السهم من الرمية فأينما لقيتموهم فاقتلوهم فإن في قتلهم أجرًا لمن قتلهم يوم القيامة.

(البخاری: ۶۹۳۰)

شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔

الجواب: پہلی حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا: میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا (ایک) وہ آدی جس نے میرے نام پر عہد و پیمان کیا پھر غداری کرتے ہوئے اسے توڑ دیا (دوسرا) وہ

آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھالی (تیسرا) وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا لیکن مزدوری نہ دی۔

(صحیح بخاری: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰)

اسے احمد بن حنبل (۲/۳۵۸ ح ۸۶۹۲) ابن الجارود (۵۷۹) ابن ماجہ (۲۴۴۲) اور ابن حبان (الاحسان: ۷۲۹۵) وغیرہم نے " يحيى بن سُليم الطائفي عن إسماعيل ابن أمية عن سعيد المقبري عن أبي هريرة رضي الله عنه " کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ سعید بن ابی سعید المقبری اور ان کا والد دونوں ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۲۳۲۱، ۵۶۷۶)

اسماعیل بن اُمیہ: ثقہ ثبت ہیں (التقریب: ۴۲۵)

یحییٰ بن سلیم الطائفی کے بارے میں جرح و تعدیل کا جائزہ درج ذیل ہے۔

یحییٰ بن سلیم پر جرح

(۱) احمد بن حنبل: واللّٰه إن حديثه يعني فيه شئ، وكأنه لم يحمده ... كان قد أتقن حديث ابن خثيم إلخ (۲) ابو حاتم الرازی: شيخ صالح محله الصدق ولم يكن بالحافظ يكتب حديثه ولا يحتج به (۳) النسائی: ليس بالقوي ... ليس به بأس وهو منكر الحديث عن عبيد اللّٰه بن عمر (۴) ابو احمد الحاکم: ليس بالحافظ عندهم (۵) الدارقطنی: سئ الحفظ (۶) العقیلی: ذکرہ فی کتاب الضعفاء [۴/۴۰۶] ونقل بسند صحیح عن احمد قال: وقعت على ابن سليم وهو يحدث عن عبيداللّٰه أحاديث مناكير فتركته ولم أحمل عنه إلا حديثاً

(۷) ابن حجر: صدوق سئ الحفظ [وفی تحریر تقریب التہذیب (۷۵۶۳): بل صدوق حسن الحديث، ضعيف في روايته عن عبيد اللّٰه بن عمر]

(۸) الساجی: صدوق يهم في الحديث وأخطأفي أحاديث رواها [عن] عبيداللّٰه بن عمر (تہذیب التہذیب ۱۱/۱۹۹) (۹) البیہقی: كثير الوهم سئ الحفظ [السنن

الکبریٰ ۹/۲۵۶] (۱۰) البخاری: یروي أحادیث عن عبیداللّٰہ یھم فیھا.. [العلل الکبیر للترمذی ۱/۵۱۶] رجل صالح صاحب عبادۃ یھم الکثیر في حدیثه إلا أحادیث کان یسأل عنھا ... [ایضاً ۲/۹۷۱]

یحییٰ بن سلیم کی تعدیل

(۱) یحییٰ بن معین قال: ثقة [تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۲۹] (۲) ابن سعد نے کہا: و کان ثقة کثیر الحدیث [الطبقات ۵/۵۰۰] (۳) العجلی نے کہا: ثقة [الثقات/التاریخ: ۱۹۸۰] (۴) ابن شاہین، ذکرہ فی الثقات [۱۵۹۱] (۵) ابن حبان، ذکرہ فی الثقات [۷/۶۱۵] ولم یقل شیئاً ونقل المزي عن ابن حبان قال: یخطئ [تہذیب الکمال ۲۰/۱۱۷] (۶) النسائی قال: لیس به بأس إلخ ،نسائی نے یحییٰ بن سلیم کی حدیث پر سکوت کیا [ح ۸۷، ۱۱۴] اور کہا: ثقة [تہذیب الکمال ۲۰/۱۱۴] لعله أراد ھذا أو غیرہ (۷) یعقوب بن سفیان نے کہا: سني رجل صالح وکتابه لابأس به وإذا حدث من کتابه فحدیثه حسن وإذا حدث حفظًا فیعرف وینکر [کتاب المعرفة والتاریخ ۳/۵۱] (۸) البخاري: احتج به فی صحیحه [ح ۲۲۲۷، ۲۲۷۰] (۹) مسلم بن الحجاج: احتج به فی صحیحه [۲۸/۲۲۹۴ ودارالسلام: ۵۹۷۳] (۱۰) ابن عدی قال: ولیحیي بن سلیم عن إسماعیل بن أمیة وعبیداللّٰہ بن عمر وابن خثیم وسائر مشائخه أحادیث صالحة وإفرادات وغرائب یتفرد بھا عنھم وأحادیثه مقاربة وھو صدوق لا بأس به [الکامل ۷/۲۶۷۵ دوسرا نسخہ ۹/۶۴] (۱۱) ابن الجارود: احتج به فی صحیحه [۵۷۹]

(۱۲) الساجی: صدوق یھم فی الحدیث إلخ دیکھئے ،والجرح: ۸

(۱۳) الذھبی: ثقة [الکاشف ۳/۲۲۶ ت ۶۲۹۰] (۱۴) الحاکم: صحح له فی المستدرک [۱/۳۰۱ ح ۱۱۲۱] (۱۵) الترمذی: حسن له فی سننه [ح ۵۴۴] (۱۶) ابن خزیمہ: صحح له فی صحیحه بروایته وسکوته علیه [ح ۱۵۰] (۱۷) البوصیری قال فی حدیثه: ھذا إسناد حسن، رجاله ثقات [ابن ماجہ مع زوائدہ: ۱۴۴] (۱۸) البغوی قال فی حدیثه:

هذا حديث صحيح [شرح السنة ۸/۲۶۶ ح ۲۱۸۶] (۱۹) الزیلعی قال: فهو ثقة [نصب الرایة ۴/۲۰۲] (۲۰) وأشار المنذری إلی تقویة حدیثه، انظر الترغيب والترهيب [۴/۲۳ ح ۲۸۰۴ و ۳/۴۳ ح ۲۸۳۷] (۲۱) وأشار الهيثمي إلى تقوية حديثه، انظر مجمع الزوائد [۳/۲۹۹] (۲۲) الاسماعیلی روی حدیث البخاری فی مستخرجه، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸ ح ۲۲۲۷] (۲۳) ابن حجر، مال إلی تقویته، انظر فتح الباری [۴/۴۱۸] (۲۴) عینی حنفی نے یحییٰ بن سلیم کی توثیق نقل کی اور جرح نقل نہیں کی دیکھئے شرح سنن ابی داود [۱/۳۳۱ للعینی] (۲۵) ابن القطان الفاسی نے کہا: ومن ضعفه لم يأت بحجة وهو صدوق عند الجميع [بیان الوھم والایہام ۲/۳۵۵ ح ۳۵۳]

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن سلیم الطائفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہیں۔ بعض علماء نے ان پر "یھم" و "یخطیٔ" و "أخطأ" وغیرہ جرح کی ہے جو کہ حسن الحدیث کے منافی نہیں ہے۔ بعض نے اس پر سيئ الحفظ، کثیر الخطاء ومنکر الحدیث وغیرہ جرح کی ہے جس کا تعلق یحییٰ بن سلیم کی عن عبیداللہ بن عمر والی روایت سے ہے۔ احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے یحییٰ مذکور کو متقن (یعنی ثقہ) قرار دیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ) امام بخاری نے فرمایا: ماحدث الحميدي عن يحيى بن سليم فهو صحيح یعنی: حمیدی نے جو روایت یحییٰ بن سلیم سے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ۱۱/۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن سلیم الطائفی کی روایات کے چار درجے ہیں:

۱: وہ جب ابن خثیم سے روایت کریں تو متقن (ثقہ) ہیں۔

۲: ان سے جب (عبداللہ بن الزبیر) الحمیدی روایت کریں تو وہ صحیح الحدیث (ثقہ) ہیں۔

۳: عبیداللہ بن عمر اور ابن خثیم کے علاوہ تمام راویوں سے وہ روایت کرے تو حسن الحدیث ہیں۔

۴: عبیداللہ بن عمر سے ان کی روایت ضعیف ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی مسئولہ حدیث بلحاظ سند واصولِ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس پر جرح کرنا غلط اور مردود ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول بہت عجیب وغریب ہے کہ "حسن أو قريب منه" (ارواء الغلیل ۵/۳۰۸ ح ۱۴۸۹) اوراس سے بھی زیادہ عجیب وغریب وہ استنباط ہے جو شیخ البانی رحمہ اللہ نے امام بخاری کے قول: "ماحدث الحميدى عن يحيىٰ بن سليم فهو صحيح" سے نکالا ہے کہ اگر غیر حمیدی اس (یحییٰ بن سلیم) سے روایت کرے تو (امام بخاری کے نزدیک) ضعیف ہے۔ اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ دلیلِ صریح کے مقابلے میں مفہوم مخالف اور مبہم وغیر واضح دلائل سب مردود ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے یحییٰ بن سلیم سے صحیح بخاری کے اصول میں روایت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہیں لہٰذا امام بخاری کے قول کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حمیدی کی یحییٰ بن سلیم سے روایت مطلقاً صحیح ہوتی ہے چاہے وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کریں یا نہ کریں، اسی طرح وہ اسماعیل بن امیہ سے امام بخاری کے نزدیک صحیح الحدیث ہیں۔ جب دوسروں سے روایت کریں تو حسن الحدیث ہیں۔ اس مفہوم وتطبیق سے جمہور محدثین اور امام بخاری کے اقوال کے درمیان تطبیق وتوفیق بھی ہوجاتی ہے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ضعیف نہیں قرار پاتی۔

وهذا هو الصواب والحمدلله رب العالمين

تنبیہ: یہ قول کہ "قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا" مجھے یحییٰ بن سلیم کے بارے میں کہیں نہیں ملا۔ مختصر صحیح البخاری (۲/۷۴، ۴۷) میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں توقف کیا ہے۔!

دوسری حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو نوعمر بے وقوف ہوں گے۔ لوگوں کے اقوال میں سے بہترین قول کہیں گے (یعنی قرآن پڑھیں گے) اُن کا ایمان اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔

پس تم انھیں جہاں پاؤ اُن سے قتال کرو کیونکہ قیامت کے دن اُن کے قتل کا اجر و ثواب ملے گا‘‘

(صحیح البخاری: ۶۹۳۰، ۵۰۵۷، ۳۶۱۱ و صحیح مسلم ۱۰۶۶/۱۵۴ و دارالسلام: ۲۴۶۲ وسنن ابی داود: ۴۷۶۷ وسنن النسائی ۱۱۹/۷ ح ۴۱۰۷)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سوید بن غفلہ، خثیمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی اور سلیمان الاعمش سب ثقہ راوی ہیں۔ اعمش نے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم وسنن ابی داود وسنن النسائی و مسند احمد (۸۱/۱ ح ۶۱۶، ۱۱۳/۱ ح ۹۱۲) وغیرہ میں ’’من خیر قول البریۃ‘‘ ہے۔ یہ جملہ صحیح ہے منکر نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس جملے والے متن کو ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔ (صحیح الجامع: ۳۶۵۴)

ارواء الغلیل کی ایک عبارت (۱۲۰/۸۔۱۲۳ ح ۲۴۷۰) میں ایک دوسرے لفظ ’’من قول خیر البریۃ‘‘ کے منکر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مسئولہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح ہی قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے مختصر صحیح البخاری (۲۳۹/۴) والحمد للہ

(۳ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری اور ضعیف احادیث

سوال: کیا صحیح بخاری میں کوئی ضعیف حدیث موجود ہے؟

الجواب: صحیح بخاری میں سند متصل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہیں وہ ساری کی ساری یقیناً صحیح ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی ضعیف نہیں۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے بلکہ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر صحیح بخاری میں کوئی ضعیف روایت ہو تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ تو ایسے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی (ص ۲۸)

شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ، اردو ج ۱ ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

دیوبندیوں کے نزدیک مستند کتاب "عقائد الاسلام" میں لکھا ہوا ہے کہ "اسی لیے حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سب سے قوی اور معتبر ہے اس کے بعد صحیح مسلم"

(ص ۱۰۰- از عبدالحق حقانی)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ساری دنیا کے منکرین حدیث کو میرا یہ چیلنج ہے کہ صحیح بخاری کے اُصول میں سے صرف ایک ضعیف حدیث ثابت کرنے کی کوشش کرلیں، ان شاء اللہ اپنی کوشش میں منکرینِ حدیث کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ ولو کان بعضهم لبعض ظهيرا.

صحیح بخاری اور سفیان ثوری

سوال: آپ نے اپنی کتابوں مثلاً نور العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ترک کردینا ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کی سب سے مشہور دلیل: "حديث سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله بن مسعود" کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، وجہ یہ ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ثقہ فقیہ عابد ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔ وہ یہ روایت "عن" کے ساتھ روایت کررہے ہیں۔ اُصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔ اس کا جواب ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی نے اپنی کتاب "تحفۂ اہل حدیث" قسط دوم میں ص ۱۵۵ پر یہ دیا ہے کہ صحیح بخاری میں سے سفیان ثوری کی دس روایات پیش کی ہیں جنھیں سفیان ثوری رحمہ اللہ عن سے روایت کررہے ہیں۔ کیا جھنگوی کی ذکر کردہ ان روایات میں سماع کی

تصریح یا متابعت ثابت ہے؟

الجواب: ان تمام روایات میں متابعت یا تصریح سماع ثابت ہے۔ والحمدللہ

ہمارے دوست محترم ابو ثاقب محمد صفدر بن غلام سرور حضروی نے اسماعیل جھنگوی مذکور کو کافی عرصہ پہلے ایک خط لکھا تھا۔ جس میں ص ۲ پر یہ لکھا تھا:

''آپ نے ص ۱۵۵ پر صحیح البخاری کی دس روایات لکھی ہیں۔ کیا آپ کا دعویٰ ہے کہ ان روایات میں سفیان ثوری کی تصریحِ سماع یا متابعت قطعاً ثابت نہیں ہے؟ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے تو یہ دعویٰ لکھیں اور اس پر اپنے چند ''مستند علماء'' سے بھی دستخط کروا کر مجھے بھیج دیں۔ مثلاً سرفراز خان صفدر، امین اوکاڑوی صاحب، تقی عثمانی صاحب وغیرہم، میں ان شاء اللہ ان تمام روایات میں متابعت یا سماع کی تصریح ثابت کروں گا والحمدللہ۔''

اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اب جھنگوی کی روایات مذکورہ پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

۱۔ بخاری باب علامۃ المنافق ج ۱ ص ۱۰ (ح ۳۴) اس روایت میں سفیان ثوری کی متابعت، شعبہ نے کر رکھی ہے۔ صحیح بخاری کتاب المظالم باب اذا خاصم فجر (ح ۲۴۵۹)

۲۔ بخاری باب الغضب فی الموعظۃ ج ۱ ص ۱۹ (ح ۹۰) اس روایت میں زہیر (وغیرہ) نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاذان باب تخفیف الإمام فی القیام...... (ح ۷۰۲)

۳۔ بخاری باب الوضوء مرۃ مرۃ ج ۱ ص ۲۷ (ح ۱۵۷) سفیان ثوری نے سنن ابی داود میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ (ح ۱۳۸)

۴۔ بخاری باب البزاق والمخاط ج ۱ ص ۳۸ (۲۴۱) اس روایت میں اسماعیل بن جعفر نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب حک البزاق بالید من المسجد (ح ۴۰۵)

۵۔ بخاری باب الوضوء قبل الغسل ج ۱ ص ۳۹ (ح ۲۴۹) عبدالواحد نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ بخاری کتاب الغسل باب الغسل مرۃ واحدۃ (ح ۲۵۷)

۶۔ بخاری باب التستر فی الغسل عن الناس ج ۱ ص ۴۲ (ح ۲۸۱) اس میں بھی عبدالواحد نے متابعت کر رکھی ہے، حوالہ سابقہ

۷۔ بخاری باب مباشرۃ الحائض ج ۱ ص ۴۴ (ح ۲۹۹) اس میں سفیان ثوری نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود، الطہارۃ باب الوضوء بفضل المرأۃ (ح ۷۷)

۸۔ بخاری باب ما یستر من العورۃ ص ۵۳ (ح ۳۶۸) اس میں محمد بن یحییٰ بن حبان نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع المنابذۃ (ح ۲۱۴۶)

۹۔ بخاری باب الاذان للمسافر ج ۱ ص ۸۸ (ح ۶۳۰) اس روایت میں یزید بن زریع نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے، صحیح بخاری کتاب الاذان باب اثنان فما فوقہما جماعۃ (ح ۶۵۸)

۱۰۔ بخاری باب السجود علی سبعۃ اعظم ج ۱ ص ۱۱۳ (ح ۸۰۹) اس میں شعبہ وغیرہ نے سفیان کی متابعت کی ہے، حوالہ مذکورہ (ح ۸۱۰)

خلاصہ یہ ہے کہ ان ساری روایات میں سماع کی تصریح یا متابعت ثابت ہے والحمدللہ، لہٰذا دیوبندیوں کا اہلِ حدیث = اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈا کرنا سرے سے باطل ہے۔ (9-8-2000)

حدیث کو قرآن پر پیش کرنے والی روایت موضوع ہے

سوال: قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) سے منسوب کتاب "الرد علی سیر الأوزاعي" میں لکھا ہوا ہے:

"حدثنا ابن أبي كريمة عن أبي جعفر عن رسول الله ﷺ أنه دعا اليهود فسألهم فحدثوه حتى كذبوا على عيسى عليه الصلوٰة و السلام، فصعد النبي ﷺ المنبر فخطب الناس فقال: إن الحديث سيفشو عني فما أتاكم عني يوافق القرآن فهو عني، وما أتاكم عني يخالف القرآن فليس عني" ہمیں (خالد) ابن ابی کریمہ نے ابوجعفر (عبداللہ بن مسور) سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بُلا کر پوچھا، تو انھوں نے حدیثیں بیان کیں حتیٰ کہ انھوں

نے عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ بولا۔ پھر نبی ﷺ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: میرے بارے میں حدیثیں پھیل جائیں گی پس تمھارے پاس میری کوئی حدیث قرآن کے مطابق پہنچے تو وہ میری حدیث ہے۔ اور تم تک میری طرف سے جو روایت قرآن کے مخالف پہنچے تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔ (ص ۲۴، ۲۵)

کیا یہ روایت صحیح و قابلِ اعتماد ہے؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔ شکریہ (ایک سائل)

الجواب: یہ روایت موضوع ہے۔

دلیل اول: اس روایت میں ابو جعفر سے مراد عبداللہ بن مسور (الہاشمی) ہے۔

دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۱۶۸/۳) الثقات لا بن حبان (۶۲/۶) تاریخ بغداد (۲۹۲/۸) واخبار اصبہان (۳۰۵/۱)

حافظ ابو نعیم الاصبہانی لکھتے ہیں: "ابو جعفر هو عبدالله بن مسور" (اخبار اصبہان ۳۰۵/۱)

اس عبداللہ بن مسور کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا: "کان یضع الحدیث ویکذب" وہ حدیثیں گھڑتا اور جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۱۶۹/۵ وسندہ صحیح)

ابن حبان نے کہا: وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا اور تھوڑی روایتیں بیان کرنے کے باوجود بے اصل مُرسل روایتیں بیان کرتا تھا۔ اگر وہ ثقہ راویوں کی موافقت بھی کرے تو اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں ہے۔ (کتاب المجروحین ۲۴/۲)

ذہبی نے کہا: "یکذب" وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین: ۲۳۱۳)

یہ شخص بالاجماع کذاب و مجروح ہے۔

تنبیہ: تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں غلطی سے خالد بن ابی کریمہ کے استادوں میں ابو جعفر الباقر کا نام لکھ دیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت سلف صالحین سے نہیں ہے۔

دلیل دوم: ابو جعفر عبداللہ بن مسور کی مرسل روایات بے اصل ہوتی ہیں۔

دلیل سوم: قاضی ابو یوسف بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف اور مردود الروایہ ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۹ ص ۴۵ تا ۵۵

دلیل چہارم: کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی باسند صحیح قاضی ابو یوسف سے ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث:۱۹ص ۵۳، ۵۴

دلیل پنجم: یہ موضوع روایت قرآن مجید کی آیت ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ﴾ اور تمھیں رسول جو (حکم) دے اُسے لے لو۔ (الحشر: ۷) کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔ ابو الوفاء الافغانی (متروک الحدیث) نے اس روایت کے کچھ موضوع اور باطل شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ الرد علیٰ سیر الاوزاعی (ص ۲۵ تا ۲۸) یہ تمام شواہد موضوع، باطل اور مردود ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ)

مختصر
صحیح نمازِ نبوی
تکبیر تحریمہ سے سلام تک
تالیف
حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
کتاب وسنت کی روشنی
میں ایک تحقیقی اور مستند کتاب
حافظ زبیر
کے قلم سے
جس میں نماز کا مکمل طریقہ مختصر اور سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے
مکتبہ اسلامیہ
لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973
فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

تفسیر ابن کثیر
تالیف
امام ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ
ترجمہ
امام العصر مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ
تخریج
ملک کامران طاہر
تحقیق
حافظ زبیر علی زئی
تقدیم
مبشر احمد ربانی
دو رنگوں میں پیش خدمت
☆ تمام آیات قرآنیہ، احادیث کریمہ کی مکمل تخریج و تحقیق کا اہتمام
☆ خوبصورت سرورق، معیاری طباعت، بہترین کاغذ، مناسب قیمت
مکتبہ اسلامیہ
لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973
فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

نصر الباری
فی تحقیق
جزء القراءة للبخاری
تالیف
امیر المؤمنین فی الحدیث
محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ
ترجمہ تخریج و تعلیق
حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
حافظ زبیر علی زئی کے عالمانہ قلم سے
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب جزء القراءۃ
کی تحقیق و تخریج اور مفید اضافہ جات
مکتبہ اسلامیہ
لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973
فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

صحیح بخاری پر
اعتراضات کا
علمی جائزہ